ہندوستان کی قومی زبان اور رسم الخط ہونے کا حق کسے حاصل ہے

محمد معین الدین دردائی بی۔ اے آنرز ام۔ اے (علیگ)

ہندوستان کی اِس پُرعظمت زبان کے نام

جسے ہندو مسلمان دونوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے

الف

تعارف

پیش نظر کتاب میرے عزیز دوست محمد معین الدین صاحب دردائی ام۔ اے علیگ کی تصنیفات میں سے ہے۔ فاضل مصنف سن کے اعتبار سے جوان ہیں۔ اس لئے ہر طرح کی تحقیقی مساعی اور تحقیلی مجاہدے کے اہل بھی لیکن استعداد و فضیلت اور علم و آگہی کے اعتبار سے صرف پیر ہی نہیں بلکہ پیرانہ وسعت تجربہ اور وسعت علم سے متصف بھی ہیں۔ جس وقت سے انہوں نے ادبی شعور حاصل کیا اور جب سے لٹریری میدان میں قدم رکھا انہوں نے اپنے اوپر ادبی و فنی خدمت عائد کر لی۔ تعلیم کے زمانہ میں بھی ادبی خدمت کا بار گراں اپنے نحیف کندھوں پر اٹھائے ہوئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے ادارہ علمیہ میں علیگڑھ میگزین کے ایڈیٹر کی حیثیت سے اُردو ادب کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔

یوں تو ادب کی ہر صنف سے آپ کو دلچسپی ہے لیکن آپ کا اصل میلان تحقیقی اور علمی ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ایک عرصہ تک انجمن ترقی اردو (ہند) میں ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ وہاں ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی رہبری اور مشوروں نے آپ کی صلاحیتوں

میں چار چاند لگا دیا۔ آپ ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے انداز تحریر سے بہت زیادہ اثر پذیر ہیں۔ آپ کی تحریر میں ایک خاص طرح کی دلکشی، سنجیدگی اور وقار پایا جاتا ہے۔ عالمانہ سنجیدگی، محققانہ موشگافی اور ناقدانہ میانہ روی میں معاصرین کے اندر آپ ممتاز جگہ دیئے جانے کے لائق ہیں۔

زیر نظر کتاب میں فاضل مصنف نے اُردو زبان اور رسم الخط کو ہندی زبان اور رسم الخط پر ترجیح دیتے ہوئے اُردو کو ہندوستان کی قومی زبان اور رسم الخط تسلیم کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ فاضل مصنف کے دلائل، اور حوالجات ان کے مشورہ کی تائید کرتے ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں ہندوستان ان کے مشورہ کو قبول کر کے لسانیاتی اعتبار سے خسارہ میں نہ رہے گا۔

پروفیسر احمد حسن ام۔ اے۔ بی۔ ال
وائس پرنسپل نالندہ کالج بہار شریف

مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء

M. MOINUDDIN DARDAIE, M.A. (ALIG.)

پیش لفظ

سنہ ۱۹۴۰ء میں جب میں انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی میں ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا قبلہ عبدالحق صاحب کے ایما سے میں نے "اُردو ہندی تنازع کی تاریخ" سے متعلق مواد جمع کرنا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں مجھے بہار لیجسلیچر کی لائبریری اور گورنمنٹ ریکارڈ سے کافی مواد ملے۔ مواد جمع کر لینے کے بعد میں اسکو ترتیب دینے میں ہاتھ لگانے والا ہی تھا کہ سخت علیل ہو کر پٹنہ چلا آیا۔ اور بہت عرصہ تک بیمار رہا۔ پھر کچھ ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ میں انجمن نہ جا سکا۔ اور چونکہ اس اہم کتاب کی ترتیب کے لئے ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی قربت ضروری تھی کہ ہر موقع پر ان کی ہدایت اور مشورہ سے استفادہ کیا جا سکے اس لئے اس کتاب کی ترتیب کا کام ملتوی رہ گیا اور ہنوز ملتوی ہے جس کا مجھے کافی افسوس ہے۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں مجھے خیال ہوا کہ گورنمنٹ ریکارڈ اور بہار لیجسلیچر لائبریری سے جو نوٹ اور ضروری یادداشت میرے پاس محفوظ ہیں ان سے تھوڑا بہت مضمون کی شکل میں پیش کر دیا جائے۔ اس مقالہ کو اسی خیال کی تکمیل سمجھئے۔ اس مقالہ کو پورا کر کے میں نے قبلہ عبدالحق صاحب کی خدمت میں بھیج دیا تھا جسے انہوں نے رسالہ اردو (جولائی سنہ ۱۹۴۲ء) میں شائع فرما دیا۔

۱۹۴۶ء میں جب میں گیا کالج میں تھا ہمارے بعض شاگرد اور احبا خاص کر برادر عزیز مولوی مظفرالدین صاحب کا اصرار ہوا کہ اس مقالہ کو کتاب کی شکل میں شائع کر دوں، چنانچہ ان لوگوں کے بہ پاس خاطر کچھ ترمیم و اضافہ کے بعد میں اس مقالہ کو کتاب کی شکل میں شائع کر رہا ہوں۔

جس زمانہ میں اس کتاب کی ترتیب اور کتابت ہوئی ہے اس وقت تک متحدہ ہندوستان پاکستان اور ہندوستان کی شکل میں منقسم نہیں ہوا تھا لیکن اب جبکہ ہندوستان کی تقسیم ہو چکی ہے اور پاکستان کی سرکاری اور دفتری زبان اردو تسلیم کی جا چکی ہے میں اپنے ان بھائیوں کو جو محض ضد میں ہندوستان کی ایک پر عظمت زبان سے بے اعتنائی کر کے اپنا شدید نقصان کر رہے ہیں ایک لمحہ فکریہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اردو کی تخلیق، ترویج اور تشہیر میں ہندوستان میں بسنے والی تمام قوموں کا ہاتھ ہے ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی، سکھ سب ہی شامل ہیں یہ کسی ایک قوم کی ملکیت نہیں اسلئے آج جبکہ ہندوستان کی تمام چیزیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس مشترکہ مقبول اور محبوب زبان کی آئندہ ترقی کی ذمہ داری کا بار بھی ہم لوگ آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

آخر میں مجھے چند ذات گرامی اور دوستوں کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جن سے مجھے اس کتاب کی ترتیب میں مدد ملی۔ سب سے پہلے میں ڈاکٹر عبدالحق صاحب کا

شکر گزار ہوں جن کے بیجا اور ہمت افزائی سے میں اس کتاب کا مواد جمع کر سکا تھا۔ اور جن کی شفقت اور عظمت کا میں ہمیشہ سے معترف ہوں۔

نواب مبارک علی صاحب سابق ایم۔ ال۔ سی۔ پٹنہ سیٹی کا بھی میں خاص طور پر شکر گزار ہوں جنہوں نے بہت سی یادداشت عنایت فرمائی اور اکثر موقعوں پر مدد فرمائی۔ مسٹر گوڈبولے چیف سکریٹری بہار گورنمنٹ (جو اب کسی اور عہدہ پر فائز ہیں) بھی ہمارے خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے ڈاکٹر عبد الحق صاحب کے تعارفی خط پر مجھے گورنمنٹ ریکارڈ سے مستفید ہونے کا کافی موقع عنایت فرمایا۔ اور ہر طرح کی سہولت بہم فرمائی۔

دوستوں اور عزیزوں میں برادر عزیز مولوی مظفر الدین صاحب کا میں بالخصوص ممنون ہوں کہ ان کے اصرار سے اس کتاب کی اشاعت پر میں آمادہ ہوا اور پھر انتقاماً اس کی طباعت وغیرہ کے سلسلہ میں میں نے ان سے کافی بیگار لیا ہے۔

محمد معین الدین دردائی

کلکتہ
یکم جولائی ۱۹۴۷ء

ب سے کئی ہزار سال پہلے آرین قوم جب ہندوستان میں داخل ہوئی تو اپنے ساتھ ایک نئی زبان سنسکرت بھی لائی تھی لیکن چونکہ یہ فاتح کی زبان تھی اس لئے دیوبانی (مقدس) بنکر یہاں کے قدیم باشندوں (مفتوحین) سے بالکل الگ تھلگ رہی۔ بقول مسٹر بیمز آنجہانی جن کی رائے ہندوستانی زبانوں کے متعلق بہت زیادہ قابل قدر ہے: "سنسکرت عام لوگوں کے لئے نہ تھی ہر جگہ مقامی زبانیں بولی جاتی تھیں جو سنسکرت سے قبل تھیں اس کے ساتھ قائم رہیں اور بعد تک باقی رہیں۔"

غرض اس سے غرض میں اس قوم کی غالباً یہ ہوگی کہ غریب مفتوحہ قوم پر اپنی زبان کی افضلیت کا سکہ بٹھائیں لیکن رفتہ رفتہ اس احساس

برتری نے اسکو ظلم تک پر مائل کر دیا یعنی اگر کوئی مفتوح غلطی سے
بھی اس کی دیو بانی زبان سن لیتا تو اس کے کان میں گرم گرم سیسہ
پلا دیا جاتا۔ ایرین قوم کے اس رویہ سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ ان کی
دیو بانی (مقدس) زبان سنسکرت یہاں کی قدیم پراکرتوں اور باشندوں
سے اپنا کچھ بھی میل جول پیدا نہ کر سکی۔ وہ مقدس بنی پنڈتوں کے
سینہ میں چھپی بیٹھی رہی یہاں تک کہ صوبہ بہار کی اس سرزمین نے
ایک رشی مہاتما بودھ کو جنم دیا۔ جن کا دل محبت اور روشنی سے مالامال
تھا۔ ان کا دل یہ دیکھکر کہ ہندوستان کی اصل بھاشاؤں اور
یہاں کے قدیم باشندوں کو اس درجہ ذلیل اور نیچ سمجھا جاتا ہے
بہت دکھا۔ انھوں نے دیو بانی زبان سنسکرت سے زیادہ یہاں کی
قدیم پراکرتوں کو اپنے سینے سے لگایا اور مغرور برہمنوں سے پہلے یہاں
کے قدیم مظلوم باشندوں کو اپنے چرن میں جگہ دی۔ ان کے لئے سب
لوگ یکساں تھے اور سب زبان ایک جیسی۔ مہاتما بودھ کے اس
رویہ نے یہاں کی پراکرتوں کا سر اونچا کر دیا۔ وہ اور ان کے پیرو سب
یہاں کی پراکرتوں میں ہی اپنا پیغام نجات دنیا کو سناتے تھے۔ رفتہ
رفتہ یہاں کی پراکرت بودھ مت کے ساتھ ایران، افغانستان
اور بلوچستان وغیرہ تک جا پہنچی۔ ہندوستان کی پراکرتوں اور ایرانی
افغانی زبان کے اس میل کو شجر اردو کی تخم ریزی سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بہت بعد آج سے تیرہ سو ساٹھ برس پہلے ایک نوجوان قوم عرب پیدا ہوئی جسکی ملکی وسعت اس کی امنگوں کے لئے کافی نہ تھی وہ آندھی کی طرح اٹھی اور ساری دنیا پر چھا گئی۔ اس نوجوان قوم کے دل میں بے پناہ کشادگی تھی اس کی امنگیں وسیع تھیں لیکن اس سے کہیں زیادہ اس کا دل وسیع تھا۔ اس کے یہاں غریب امیر ذات کم ذات کسی چیز کا امتیاز نہ تھا۔ اس کے نزدیک سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی تھے اس کا نصب العین اور اعتقاد ع "یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم پر تھا۔" یہی نوجوان اور قوی قوم کے سامنے ہندوستان کی ایرین قوم جو اپنی دیوبانی زبان اور چھوا چھوت کے ہاتھوں کمزور اور زوال پذیر ہوگئی تھی نہ ٹھہر سکی اور بالآخر مغلوب ہوئی۔ اس طرح گویا ہندوستان کا تخت و تاج قدیم فاتح ایرین سے منتقل ہو کر مسلمانوں کی طرف چلا گیا۔

مسلمان بھی اپنے ساتھ اپنی زبان عربی اور فارسی لائے تھے لیکن انہوں نے اسے مقدس اور دیوبانی نہ بنایا۔ ان کے یہاں محکوم شودر نہ تھا بلکہ بھائی اور دوست تھا۔ انہوں نے اس کی طرف محبت کا ہاتھ پھیلایا۔ اس کی زبان کو اپنی زبان سمجھا[1]۔ اور کوشش کرنے لگے کہ زیادہ

[1] عبدالرحیم خان خاناں اور فیضی جیسا ہندی اور سنسکرت کا فاضل ہندوؤں میں بھی مشکل سے ملے گا۔ امیر خسرو کی خالق باری بھی مسلمانوں کے اسی میلان کو طبع کو ظاہر کرتی ہے۔

تر اسی کی زبان میں اس سے بات چیت کریں۔ دوسری طرف محکوم بھی اپنے فاتح کی اس محبت سادگی، اور رواداری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور بڑے چاؤ سے اپنے فاتح کی زبان (عربی، فارسی) سیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض عربی فارسی کے مستند فاضل بھی ہوئے۔ بس ہندو مسلمان کی اسی برادرانہ اور محبت بھری کوششوں نے اردو کو جنم دیا۔

شہنشاہ اکبر کے زمانہ کی مشہور تاریخ آئین اکبری کے صفحات ہمیں بتلاتے ہیں کہ اکبر سے پہلے بلکہ اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں بھی ہندی (ناگری رسم الخط کے ساتھ) پبلک کے عام و خاص ہر کام میں رائج تھی شمالی ہند میں خصوصیت کے ساتھ ہندی کا بہت زیادہ رواج تھا لیکن اکبر کے لائق ہندو وزیر راجہ ٹوڈرمل نے ہندی زبان کی بہت سی خامیوں کو محسوس کرتے ہوئے اس کی جگہ فارسی کو رائج کیا۔ اور اس وقت سے ۱۸۳۷ء تک فارسی حکومت ہند کی درباری اور دفتری زبان رہی۔ ان چند سطروں سے ہمیں جہاں مسلمان بادشاہوں کی اس رواداری اور ہندی کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے باوجود اپنی تمام تمکنت اقتدار اور جاہ و جلال کے

ؔ پرتھوی راج کے محبوب درباری شاعر کوی چند کی مشہور کتاب پرتھی راج رسا اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے جس میں عربی فارسی کے کافی الفاظ ملتے ہیں۔ اور جس سے مصنف کے رجحان طبع کو پرتھوی راج کی مسلمانوں سے دلی نفرت اور عداوت بھی نہ روک سکی۔

اپنی لائی ہوئی زبان پر ہندوستان کی پراکرتوں کو ترجیح دی۔ انھوں نے اپنی مکمل زبان کو نیچا دکھلایا لیکن اپنی رعایا کا دل نہ دکھایا۔ تو دوسری طرف ہمیں اس روشن خیال راجہ ٹوڈرمل کی اس آزاد خیالی بے تعصبی اور حق پسندی کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے بغیر اس بات کا خیال کئے ہوئے کہ ہندی اس کی آبا و اجداد کی زبان ہے محض اس وجہ سے کہ ہندی سے بہتر اور مکمل زبان اس کے سامنے تھی اس نے اسی کو ترجیح دیا اور بغیر ذرا بھی تعصب کو راہ دیئے ہوئے تمام دفتر اور دربار میں ہندی کی جگہ فارسی کو رائج کر دیا۔

ہندوستان کی حکومت کی باگ جب مسلمانوں سے تبدیل ہو کر انگریزوں کے ہاتھ میں آئی تو انھوں نے زبان اور ہندوستان کے ہر مسئلہ کو ایک نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھا۔ یہ سات سمندر پار سے آئی ہوئی ہوشیار اور زندہ قوم دراصل یہاں حکمرانی کا خواب دیکھتے ہوئے نہیں آئی تھی وہ تو دراصل تجارت کرنے کے لئے آئی تھی لیکن وہ جو مثل ہے کہ "آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے" انھیں یہاں کی منڈیوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کا تاج و تخت بھی مل گیا۔ اس نے یہاں آکر دیکھا کہ فارسی زبان ایک مکمل اور وسیع زبان کی حیثیت سے قدرے مشکل ہے اس لئے اس کے تجارتی کاروبار میں علاوہ امور سلطنت کے بڑی دقت پیش آئے گی۔ اس کی جگہ پر اگر کوئی ایسی زبان رائج کر دیجائے جو بہت آسان بھی ہو مکمل بھی ہو اور تمام ضروریات کو پوری کر دینے

برتاؤ رہو تو بہت مناسب اور موزوں ہوگا۔ اس لحاظ سے اس کی نظر اردو[1]
پر پڑی چنانچہ ۱۸۳۲ء میں ایکٹ ۲۹ کے ماتحت فارسی زبان ہٹا کر اُردو
رائج کر دی گئی، چونکہ یہ زبان بھی ہر خاص و عام کی بہت مقبول اور عام فہم
زبان تھی جسے ہندو مسلمان دونوں ہی اپنی جان سے زیادہ محبوب رکھتے تھے
اس لئے پبلک نے اس کا دل سے خیر مقدم کیا۔

آگے چل کر ہندوؤں کے دل میں اللہ جانے کیا سمائی کہ انہوں نے ناگری
اور بھاشا پرچارنی سبھا کی بنیاد ڈال کر اپنے لئے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ
بنالی۔ بقول رائے بہادر بابو کدار ناتھ اگنہانی: "ہم ہندوؤں[2] سے ایک غلطی
ہوگئی یعنی ہم لوگوں نے ناگری اور بھاشا پرچارنی سبھا کی بنا ڈالی۔ یہ تحریک
اصولاً اپنی جگہ پر صحیح تھی لیکن عجیب اتفاد وقت کہ اس سے ایک مادہ ناقص
کشش کا پیدا ہوا جس کا نتیجہ بدیہ نکلا کہ صوبہ اودھ کے دو معزز خیر خواہان قوم
یکے ہندو دیگرے مسلمان جو ایک دوسرے کے دوست قلبی تھے فقط گورنمنٹ
کے اس رزولیشن پر کہ ممالک مغربی و شمالی کے دفتروں میں ناگری کو بھی جگہ
دی جائے آپس میں زوروں پر جھگڑتے نظر آئے اور دونوں یہ ایک

[1] اس سلسلہ میں انگریزوں کی یہ دورنگی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سب سے پہلے وہ بنگال آئے اور تجارت کا مرکز وہیں قائم کیا اور پھر رفتہ رفتہ حکومت کا مرکز بھی وہیں بنایا لیکن وہاں کی بول چال اور دفتری زبان کے لئے بنگالی زبان کو ذریعہ نہیں بنایا۔ حالانکہ ۱۸۳۲ء صوبہ کی دفتری [illegible]

[2] دیکھو تقریر متعلق اردو مطبوعہ ۱۹۱۷ء۔

عجیب بحرانی کیفیت چھا گئی ۔ اس کشمکش کا یہ برا اثر ہوا کہ بھاشا اور اردو کا میل جول جو داغ اور امیر احمد مینائی کے انداز سے اب تک بخوبی ہو رہا تھا ایک حد تک آ کے رک گیا۔"

۱۸۸۱ء میں ہندی والوں کی انتہائی کوشش سے بالآخر بنگال بہار اور اڑیسہ سے لفٹننٹ گورنر بہادر نے فارسی رسم الخط کی جگہ پر کائتھی اور ناگری رسم خط کو رواج دیا بقول رائے بہادر بابو ودا رکا ناتھ ام۔ اے۔ سی رسم خط کی تبدیلی سے غالباً لفٹننٹ گورنر بہادر کی غرض یہ تھی کہ ہندی الفاظ اور محاورات فارسی محاورات کو ہٹا کر جگہ پکڑ لیں گے ۔ لیکن وائے ناکامی بقول بابو موصوف ہی لفٹننٹ گورنر صاحب کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور اس رسم خط کی تبدیلی اور ہندی والوں کی غیر معمولی متعصبانہ کوششوں کے باوجود بھی بزرگوں کے استعمال کئے ہوئے محاورات اور الفاظ کو سنسکرت نما ہندی شکست نہ دے سکی۔

صوبہ متحدہ اور شمالی مغربی حصوں میں ابھی تک اردو اپنے فارسی رسم خط کے ساتھ استعمال میں تھی ہندی والوں کے لئے ایسی حالت میں خاموش رہنا ممکن نہ تھا۔ انہیں تو ہندی کی دوستی سے زیادہ اردو کی دشمنی منظور تھی چنانچہ ۱۸۶۸ء میں سربرآوردہ ہندوؤں کے ایک وفد نے سر انطونی میکڈانل (لفٹننٹ گورنر شمالی مغربی صوبہ اور کمشنر آگرہ و اودھ) کے دربار میں حاضر ہو کر التجا کی کہ فارسی رسم خط کی جگہ پر ناگری

اور کائتھی رسم خط کو دفتری زبان قرار دیا جائے لیکن لفٹننٹ گورنر
صاحب نے ملکی مصالح کی بنا پر اس وفد کی پوری خواہش نہ پوری کرتے
ہوئے اتنا کہا کہ ساتھ ساتھ ناگری اور کائتھی رسم خط کی بھی اجازت
دے دی۔ یعنی دفتری زبان اردو ہی رسم خط میں رہی۔ لیکن اگر کوئی شخص
ناگری یا کائتھی رسم خط بھی استعمال کرنا چاہے تو اسے پورا اختیار ہوگا۔

جیسا کہ اردو کے ایک فاضل کا بھی خیال ہے حقیقتاً اردو اور
ہندی دو مختلف زبانیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ماں کی دو بیٹیاں ہیں اردو
اپنی زندگی کے ہر منزل پر مختلف ضروریات اور حالات کے لحاظ سے
اپنی اصلاح اور درستگی کے لئے اور تہذیب و تمدن کے گوناگوں ذرائع سے
اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے بدلتی رہی برعکس اس کے ہندی ان اثرات
سے پاک و بے آمیز رہی۔ معاملہ قابل غور در اصل جو ہے وہ رسم خط کا
ہے۔ اسی بنا پر ہم نے اس مقالہ میں سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ
رسم خط کے متعلق بحث کی ہے۔ لیکن نفس زبان کے متعلق بھی بہت
سی باتیں قابل غور ہیں ہم نے اس پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ گویا اس طرح
یہ میرا یہ مضمون تین حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے میں اردو زبان کے
متعلق بہت سی کار آمد باتیں پیش کی گئی ہیں دوسرے میں اردو زبان
کے ادب (لٹریچر) پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تیسرے حصہ میں رسم خط کے
متعلق سائنٹفک اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے غیر جانبدارانہ بحث

کی گئی ہے۔ ان تمام حصوں کے پڑھ لینے کے بعد ہم سمجھتے ہیں ایک آدمی بہت آسانی سے طے کر سکتا ہے کہ ہندوستان کی قومی اور مشترکہ زبان اور رسم خط ہونے کا حق کسے حاصل ہے۔

زبان

زبان کی اگر مختصر لفظوں میں تعریف کی جائے تو یہ ہوگی کہ وہ ایک آلہ ہے جس سے ایک شخص اپنے معلومات دوسرے تک منتقل کر سکے۔ اب رہا یہ سوال کہ مکمل زبان کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں تو اس کے جواب میں صوری حیثیت سے حسب ذیل باتیں ہونی چاہئیں۔

(۱) انکا تلفظ آسان ہو (۲) ان کے مشتقات آسانی سے بن سکیں (۳) وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ آسانی سے ملائے جا سکیں۔

معنوی حیثیت سے جیسا کہ مل نے کہا ہے اس نظام علائم میں دو باتیں ضروری ہیں:۔ (۱) ہر اسم نکرہ کے اپنی جگہ پر مستقل و متعین معنی ہونے چاہئیں (۲) حسب ضرورت ہر مفہوم کے لئے ایک نام مخصوص ہو یعنی ہر خیال ہر جذبہ ہر حالت غرض ہر چھوٹی سے چھوٹی کیفیت کے لئے جیسے واقعات محسوس ہو سکیں ایک نام ہو۔

لسانیاتی [illegible] رفتہ رفتہ ہندی نے جو ملک کے

باشندوں کی سب سے قدیم زبان تھی تو صورتیں اختیار کر لیں ایک صورت ہندوستان میں متعدد آئی ہوئی زبانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہوئی۔ کیونکہ انگریزوں سے پہلے ہندوستان میں ایرانی، یونانی، عرب، منگل ترک، افغان اور سیتھین اپنی اپنی زبانوں کے ساتھ آچکے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے اثر پذیر ہو رہے تھے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ زبان کے لحاظ سے وہ سب ایک دوسرے میں بالکل جذب ہو گئے۔ پراکرت کی یہ صورت موجودہ بول چال میں اردو کے نام سے موسوم ہے پراکرت کی دوسری صورت دیہات میں محدود رہی اور اس لئے اسے بیگانہ اثرات سے متاثر ہونے کے بہت کم مواقع ملے۔ سنسکرت نے تنگ نظر اس سے خارجی اثر کو بہت کم قبول کیا پراکرت کی یہ جامد موجودہ ہندی کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

اب نتیجہ بالکل صاف ہے یعنی اردو جو مختلف تمدن و تہذیب کا مزہ چکھ رہی ہے اور مختلف آریائی اور سامی زبانوں کا عنصر ہے ملک کی دوسری زبانوں کی بہ نسبت علمی خیالات کے لحاظ سے اظہار تمدن کی ضروریات کے لئے زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

زبان کے ذخیرہ کے لحاظ سے اگر ہم دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اردو زبان کا ذخیرہ بہت کافی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں ایرانی، یونانی، فارسی، عربی، سنسکرت، ترکی، انگریزی سب ہی زبانوں [illegible]

شامل ہیں اور یہ آپس میں ایک دوسرے سے اتنا گڈمڈ ہوگئے ہیں کہ جدید مصطلحات کے ڈھالنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ جدید مغربی علوم کا اردو مصنف بلا کسی رکاوٹ اور اپنی خاص زبان کے حسن و خوبی کو قائم رکھتے ہوئے عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کے وسیع ذرائع سے کام لے سکتا ہے کیونکہ یہ سب اس کے لئے غیر نہیں ہیں۔

اردو زبان کی ایک بڑی خوبی اس کا عالمگیر ہونا ہے اور یہی خوبی ہے جس سے متاثر ہو کر لوگ اسے لنگوا فرانکا تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مراٹھی کشمیر میں، گجراتی بہار میں، تامل اودھ میں، اڑیا پنجاب میں، بنگالی دکن میں، ایسی ہی اجنبی معلوم ہونگی جیسی کہ افریقہ کی کوئی غیر مانوس زبان برعکس اس کے اردو ہندوستان کے طول و عرض میں بلکہ ہندوستان سے باہر اکثر مقامات مثلاً عدن، مالٹا، بندر سعید، سنگاپور وغیرہ میں ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ بقول مولانا عبد الماجد دریا بادی:۔

"ہندوستان کی دوسری زبانیں زیادہ سے زیادہ صوبہ وار زبانیں ہیں ہندوستانی (اردو) ہی صرف ایسی زبان ہے جو ہر صوبہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔"

چونکہ اردو زبان کے بنانے میں ہندوستان کی ہر زبان نے مدد کی ہے یہی سبب ہے کہ ایسے ان صوبوں کے باشندے بھی اجنبی زبان محسوس نہیں کرتے، جہاں یہ عام طور پر نہیں بولی جاتی۔ اس سلسلہ میں مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ دو ایک یورپین محققین کے خیالات کا بھی اظہار کیا جائے۔ جو انہوں نے اُردو کی نسبت ظاہر کیا ہے اِس سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہوگا کہ باہر کے وہ محققین جنہوں نے ہندوستانی زبانوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اردو کے متعلق اپنی غیر متعصبانہ اور آزاد رائے کیا رکھتے ہیں جارج کیمبل مصنف " انڈیا از اٹ مائٹ بی " ایک جگہ ہندوستان کی مشترک تعلیمی زبان کے بارہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

" ہندوستانی (اردو) ملک کے اکثر طبقوں میں عام طور پر بولی جاتی ہے اور اس سے زیادہ عام طور پر سمجھی جاتی ہے مسلمان جن کی کہیں زیادہ تعداد ہندوستان میں آئی اور جنہوں نے اپنی تحریری زبان کو ایک حد تک فارسی رکھا۔ بول چال میں عام طور پر ہندوستانی ہی کو استعمال کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے اس میں بیرونی الفاظ کی ایک کثیر تعداد داخل کر دی ہے جیسا کہ ہم کو بھی وقتاً فوقتاً انگریزی الفاظ کی آمیزش کرنی پڑتی ہے اور آئندہ پڑے گی ....

میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ تمام اعلیٰ مدارس میں ہندوستانی ہی عام زبان ہونی چاہیئے۔ اور زبانیں بھی جہاں تک ضرورت ہو سکھائی جائیں۔ بغیر کسی عام مشترک زبان کے ترقی کرنا محال ہے۔ اور اگر جیسا کہ میرا خیال ہے انگریزی کو عام بنانا خارج از بحث ہے تو ہندوستانی ہی کو جہاں تک ممکن ہو عام و مشترک بنانا بہت بڑا مقصد ہونا چاہیئے۔

بنگالی زبان کے موافق بھی اس صوبے میں جہاں کی یہ خاص زبان ہے۔
دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ہندوستانی تمام طبقوں
میں اس قدر عام ہے کہ کسی کو اس کے مقابلے میں پیش کرنا میرے خیال
میں مناسب نہ ہوگا۔"

ایک دوسرے موقع پر بھی مصنف ہندوستانی (اردو) کے متعلق
اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

" ہندوستانی جیسا کہ میں نے کہا ہے ہندوستان کی مشترکہ زبان
ہے۔ اس حیثیت سے تمام اعلیٰ طبقوں میں بلکہ میں یہ کہوں گا کہ تمام ادنیٰ
طبقوں میں بھی (سپاہی، ملازم وغیرہ) تمام مسلمانوں اور ہندوستان میں رہنے
والے تمام یورپیوں میں عام طور پر بولی جاتی ہے۔ اور اس میں قبول الفاظ
کی ایک ایسی عجیب خصوصیت ہے کہ میں نے کسی اور زبان میں نہیں دیکھی
اگر کسی لفظ کا بہ آسانی معقول ترجمہ ہندوستانی میں نہ ہو سکے تو اس کی
بجائے کسی طویل فقرے کی ضرورت نہیں۔ فوراً ہی وہ لفظ ہندوستانی
میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ خواہ وہ فارسی، عربی، پرتگالی یا انگریزی
ہی کیوں نہ ہو۔ اس طریقے کی سہولت اور سودمندی حیرت انگیز ہے۔
ہم ہندوستانی کو ہر ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں"

مشہور فرانسیسی عالم گارساں دتاسی ہندوستانی زبان پر لیکچر
دیتے ہوئے ایک جگہ اردو کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ

میں کرتا ہے۔

"اردو[1] نے ہندوستان میں وہی مرتبہ حاصل کیا ہے جو فرانسیسی زبان نے یورپ میں۔ یہ وہ زبان ہے جو بکثرت استعمال میں رہتی ہے۔ یہ عدالت اور شہر دونوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اہل علم اپنی تصنیفات اور شعرا اپنی غزلیں اسی زبان میں لکھتے ہیں۔ یورپین سے گفتگو کا وسیلہ بھی ایک زبان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندو لوگ اردو ہر جگہ نہیں سمجھتے مگر یہی صورت تو تمام ملک کی زبانوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ برٹین (جو فرانس ہی کا ایک صوبہ ہے) کے کسان خواہ پر او نسال ہوں یا السا شین فرانسیسی زبان نہیں سمجھتے تو کیا یہ اس بات کی دلیل قرار پا سکتی ہے کہ فرانسیسی صوبے کی عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں نہ استعمال کی جائے ......
اردو ہندوستان کے ہر قصبے اور قریے میں سمجھی جاتی ہے۔ باوجودیکہ وہاں اور بھی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ شمالی مغربی صوبے اور اودھ کی تو یہ خاص زبان ہے۔ یہ صرف ہندوستان کے اندر ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ بلوچستان اور دیگر ممالک میں جو ہند سے ملحق ہیں سمجھی جاتی ہے۔ یہ امر مشہور و معروف سیّاحوں کے بیان سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے"

جے بیمز جو ہندوستانی فلالوجی کا بہت بڑا عالم گزرا ہے ایک موقع

---

[1] یہ لکچر ۹ دسمبر ۱۸۶۹ء کو امپیریل اسپیشل اسکول آف اورنٹیل لنگویجز پیرس میں دیا گیا تھا۔

پر اُردو کے متعلق اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتا ہے:۔

"میں اس کو (اردو کو) مختلف گروہوں کی بڑی اور وسیع زبان کی نہایت ہی ترقی یافتہ اور متمدن صورت خیال کرتا ہوں۔ صرف یہی نہیں کہ یہ ایک فصیح، سلیس اور وسیع زبان ہے۔ بلکہ اس میں وادی گنگا کی بسنے والوں قوموں کی زبان کی اصلی ترقی ظاہر ہو سکتی ہے۔"

بعض اچھے اچھے باخبر لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ اردو زبان اسلامی حکومت کی یادگار ہے۔ یہاں تک کہ گاندھی جی جیسے محب وطن اور باخبر بزرگ کو بھی یہ لکھنے میں تامل نہ ہوا کہ: "اردو زبان مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے۔ قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اور مسلمان بادشاہوں نے اسے بنایا اور پھیلایا" لیکن حقیقت میں یہ باتیں تعصب کی بنا پر کہی جاتی ہیں۔ یا اردو زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے۔ کیونکہ اردو اسلامی حکومت کی یادگار نہیں، یہ تو ہندو مسلم ایک جہتی کی علامت ہے۔ ایک طرف تو عربی فارسی کے درمیان اور دوسری جانب سنسکرت اور پراکرت کے مابین یہ ایک معقول رابطہ ہے۔ بہ قول پنڈت سندر لال صاحب۔ جنہوں نے گاندھی جی کے مندرجہ بالا خیال کو پڑھکر ایک خط میں ان کو جواب دیا تھا کہ:۔

لے رسالہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۳۵ سنہ ۱۸۶۶ء صفحہ ۱۰

"اردو[1] نہ مسلمانوں کی اور نہ کسی اور کی مذہبی زبان ہے اور نہ کبھی تھی۔ وہ شخص اس ملک کے لاکھوں رہنے والوں کی جن میں ہندو مسلمان، عیسائی اور جین سب شامل ہیں، قدرتی اور مادری زبان ہے۔ اس کو ترقی دینے میں ہندوؤں نے اتنا ہی حصہ لیا ہے جتنا مسلمانوں نے اور آج تک بہت سے ہندوؤں کو اس پر ویسا ہی فخر ہے جیسا کہ مسلمانوں کو ہو سکتا ہے۔ ہندی میں تو رامائن بھی ہے جسے کم سے کم شمالی ہند کے لاکھوں ہندو اپنی ویسی ہی مذہبی کتاب مانتے ہیں جیسی کسی دوسری کتاب کو۔ اردو میں تو مسلمانوں کی کوئی اس طرح کی کتاب بھی نہیں ہے۔ آپ کو شاید معلوم ہے کہ شمالی ہند میں کم سے کم ہزاروں ہندو گھر ابھی تک ایسے ہیں جہاں دسہرے کے دن پوجا کے وقت "پورب کا بردا، پچھم کا گھوڑا، اتر کا تیر، اور دکن کا چیر، یا ان سے ملتے جلتے الفاظ کاغذ پر اردو حرفوں میں لکھے جاتے ہیں۔ اب اگر اس طرح کے لوگوں کو دھرم سے گرا ہوا کہہ کر علیحدہ کر دیا جائے تو اور بات ہے۔ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ اردو قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے اگر

---

[1] ہماری زبان بابت یکم نومبر ۱۹۴۱ء جلد ۲ نمبر ۱۵

ہم اردو کو قرآن کے حرفوں میں لکھنے کی کوشش بھی کریں تو معمولی حرفوں کی شکلیں تو کافی بدل جائیں گی "سہیلی"، "پڑوسی" کو "نروسی"، "چاند" کو "جاند"، "گلے" کو "کالے"، "پاخانے" اور "کھانا" کو "سکانا" وغیرہ لکھنا پڑے گا۔ آج کل کے فارسی حروف جن میں ہندوستانی آوازوں کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ نئی علامتیں جوڑ کر اردو لکھی جاتی ہے۔ عربی حروف سے صدیوں پہلے کی ایجاد ہیں۔ دونوں میں مشابہت بھی ہے لیکن مشابہت تو گجراتی، بنگلہ اور ناگری حرفوں میں بھی کافی ہے۔ آدھار میں تو بالکل وہی ہیں اس کی بنا پر یہ کہنا تو [illegible] گجراتی اور [illegible] آگے وید کے حروف میں لکھی جاتی ہیں۔ یہ بات الگ ہی رہی کہ کسی خاص کتاب کے حروف میں لکھے جانے کی وجہ سے بھی کوئی زبان کسی خاص جماعت کی نہیں بن جاتی"

مسٹر سی۔ جی اوگلوی اردو زبان کی خوبیوں اور ہمہ گیریوں کا اعتراف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہیں۔

"اردو ایک ایسی زبان ہے جو نوع بہ نوع کے لٹریچر (ادب) سے مالا مال ہے۔ یہ اپنا ایک خاص معیار رکھتی ہے۔ اور ہر طرح کے مشکل سے مشکل خیالات کو صاف اور سلجھے طور پر ظاہر کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے اس کی لغت بہت وسیع اور غیر محدود ہے۔ یہ اپنی ہر طرح کی خاص اور علمی کو پیدا کر سکتی ہے اور اصطلاحی

ترم کو ظاہر کرنے میں محسوس ہوتی ہے۔ عربی، فارسی اور سنسکرت
کے غیر محدود خزانے سے پورا کر لیتی ہے۔ اس میں ہندی کی
سادگی، فارسی کی روانی اور عربی کی جامعیت پائی جاتی ہے
یہ بہتر سے بہتر مفہوم کو الفاظ کا جامہ پہنا سکتی ہے اور نوع بہ نوع
کے مضامین کو آسانی کے ساتھ سپرد قلم کر دینے پر قادر ہے
اُردو ایک ساتھ فرانسیسی کی طرح ڈرامیٹک اور جرمنی کی
طرح باوزن ہو سکتی ہے۔ اگر مضمون کی نوعیت اس سے مطالبہ
کرے تو یہ جہاں آئینے کی طرح صاف ستھری ہو سکتی ہے وہاں
آسانی کے ساتھ فلسفیانہ رنگ بھی اختیار کر لینے پر قادر ہے
یہ سیدھی سادی، رواں، پرشوکت اور درخشاں زبان
ہے۔ شاعرانہ تخیل بھی اس کی حد تحریر سے باہر
نہیں۔"

اب تک تو ہم ان یورپین محققین کی رائے پیش کرتے رہے ہیں جو
زبان کے معاملے میں ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ
"جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے" لہٰذا اس سلسلے میں اردو کے ایک
سخت مخالف مسٹر ایس۔ وی فدنی کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔ فدنی صاحب
وہ بزرگ ہیں جو ہندی کی سرزبان میں لنگوفرانیکا بننے کی صلاحیت دیکھتے
ہیں۔ اور عام طور پر اپنی مخالفت کے جوش میں چیخ چیخ کر فرماتے ہیں کہ

اردو زبان میں کوئی خاص بات نہیں۔ لیکن پھر بھی ایک موقع پر اردو کی معنویت اور خوبیوں سے مرعوب ہو کر ان کو بھی اتنا اعتراف ہی کرنا پڑا۔

"میں چند لفظوں میں آپ کو بتلاؤں گا کہ ہندوستانی (اردو) کا کیا درجہ ہے۔ اس زبان کے استعمال کرنے والوں میں بہت بڑی تعداد سیاحوں، زیارت کرنے والوں اور اینگلو انڈین کی ہے۔ جو لوگ کہ ہندوستان کے ہر صوبے میں بیداری پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ زبان بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ میں بھی ہندوستانی (اردو) زبان کو اس انقلابی دور میں ہندوستان کی قومی زبان تسلیم کرتا ہوں۔"[1]

چند لفظوں میں اگر یہاں یہ بتلا دیا جائے کہ دنیا میں زبانیں کس طرح بنتی ہیں اور ان کا بنانے والا کون ہوتا ہے تو غالباً بے محل نہ ہوگا۔ دنیا میں ہر زبان فطری اور غیر محسوس طور پر بنتی ہے۔ اس کا کوئی خاص شخص بنانے والا نہیں ہوتا یہاں تک کہ بڑے سے بڑے اور باجبروت شہنشاہ کی بھی اس بارے میں نہیں چلتی۔ ایران میں ریل کے لئے کالسکۂ دودی گھڑا گیا اور وہاں کے بادشاہ کے سفر نامے میں بھی استعمال کیا گیا مگر یہ مرکب لفظ دو قدم بھی آگے نہ چل سکا اور منہ کے بل گرا۔ جہانگیر جیسے صاحب عزم شہنشاہ نے شراب

---

[1] انڈین سوشل ریفارمر آف بمبئی نمبر ۹ بابت ۱۹۲۱ء

کے لیے رام رنگی نام تجویز کیا لیکن کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہ کی۔ محمد شاہ بادشاہ نے ایک نہایت مفرح میوے کے نام میں سنگ یعنی پتھر کا لفظ سخت نامناسب سمجھا اور اس کے بدلے رنگترہ بنایا۔ اگرچہ یہ نام اس میوے کے لیے رنگ کے لحاظ سے بھی موزوں تھا۔ مگر یہ لفظ بھی شاہی سکہ ہونے کے باوجود جلد ہی ٹکسال باہر ہو گیا۔ اردو ادب کے ایک فاضل مصنف نے ریلوے لائن کے لیے سکۃ الحدید وضع کیا مگر زبان نے اسے قبول نہ کیا۔ بہ قول پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی:

> "ایک زبان کے بولنے والوں کو ایک یعنی جمہوری حکومت تصور کرو جس میں عام رائے انتظام کا اختیار عطا کرتی ہے اور یہ اختیار ہمیشہ نگرانی اور احتساب کے ماتحت ہوتے جاتے ہیں۔ ہر فرد مجاز ہوتا ہے کہ مشترکہ زبان میں اضافہ کرے یعنی نئے لفظ اختراع کرے۔ اگر ان کی ضرورت ہو اور وہ اختراع جماعت کے مذاق اور زبان کے مزاج کے تقاضے کے ناموافق نہ ہو۔"[1]

زبان کے معاملے میں بہ قول حکیم افلاطون عام لوگ بادشاہ ہیں اور کسی کو میر فیصل نہیں ماننا چاہیے۔ بازار، ہوا گاڑی، تار گھر، پیر گاڑی، ہوائی جہاز کو اردو زبان میں لانے والے عوام ہی ہیں۔ اسی کی زبان سے

---

[1] اخبار ہماری زبان بابت یکم نومبر ۱۹۴۱ء نمبر ۵ جلد ۳

نکلے ہوئے یہ الفاظ ہیں جو آج بڑے سے بڑے مصنف کو اپنی تصانیف میں استعمال کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب مرکز زبان اردو میں لکھتے ہیں کہ باہر کے ایک صاحب کو کسی لفظ کی صحت میں شبہ تھا اور وہ اس سے متعلق دلی کا استعمال معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے شیخ ابراہیم ذوق سے رفع شک کرنا چاہا تو شیخ صاحب ان کو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر لے گئے اور ان کا شک لوگوں کی زبان سے رفع ہوا۔

اردو زبان کی عام مقبولیت کا دعویٰ ہم انہی صفحات میں بھی کہیں کر چکے ہیں۔ اس کے ثبوت میں اگر پٹنہ یونیورسٹی کے امتحانات کا گوشوارہ دیکر یہ واضح کر دیا جائے کہ تمام امتحانات میں مسلم اور غیر مسلم طلبا، دونوں نے متفقہ طور پر اردو کو تمام دوسری ہندستانی زبانوں کے مقابلے میں اپنے امتحان کے لیے زیادہ پسند کیا تو بے محل نہ ہوگا۔ صوبہ بہار کی یونیورسٹی کے آٹھ سالہ امتحانات کا گوشوارہ درج ذیل ہے:۔

گوشوارہ آٹھ سالہ امتحانات پٹنہ یونیورسٹی

سنہ	امتحانات	تعداد طلبا	مسلم	غیرمسلم	ہندی	اردو	بنگالی	اڑیا
۱۹۱۸	میٹرک	۳۶۷۹	۶۶۵	۳۰۱۴	۱۲۱۹	۱۱۱۶	۳۱۷	۵
"	آئی اے	۸۳۰	۱۷۴	۶۵۶	۲۶۱	۳۱۷	۲۲۱	۷۲
"	آئی۔ ایس۔ سی	۱۵۶	۱۵	۱۴۱	۵۱	۳۰	۴۵	۳۱
"	بی۔ اے	۴۶۲	۸۲	۳۸۰	۱۴۴	۲۰۵	۴۹	۴۴
"	بی۔ ایس۔ سی	۳۴	۴	۳۰	—	—	—	—
۱۹۱۹	میٹرک	۳۳۳۵	۵۸۸	۲۷۴۷	۱۳۸۷	۱۰۳۱	۵۰۶	۳۹۴
"	آئی اے	۸۷۷	۱۷۸	۶۹۹	۲۹۸	۳۳۴	۱۰۶	۸۷
"	آئی۔ ایس۔ سی	۱۹۴	۳۰	۱۶۴	۵۴	۳۷	۶۳	۳۵
"	بی۔ اے	۴۵۶	۹۵	۳۶۱	۱۴۳	۱۸۸	۵۹	۴۰

سنہ	امتحانات	تعداد طلبا	مسلم	غیر مسلم	ہندی	اردو	بنگالی	اڑیا
۱۹۱۹	بی-ایس-سی	۴۰	۳	۳۷	—	—	—	—
۱۹۲۰	میٹرک	۴۲۹۸	۷۳۱	۳۵۶۷	۱۹۵۴	۱۲۱۹	۵۷۳	۵۲۳
"	آئی-اے	۹۰۱	۱۹۶	۸۰۵	۳۶۶	۳۳۹	۷۸	۸۳
"	آئی-ایس-سی	۱۵۸	۱۹	۱۳۹	۴۸	۲۸	۵۷	۱۹
"	بی-اے	۴۴۹	۸۵	۳۶۴	۱۴۹	۱۸۲	۶۸	۳۹
"	بی-ایس-سی	۵۳	۳	۵۰	—	—	—	—
"	میٹرک سالانہ	۳۶۳۶	۵۹۵	۳۰۴۱	۱۶۳۲	۹۷۲	۳۹۷	۴۳۴
"	میٹرک ضمیمہ	۱۳۹۷	۲۳۹	۱۱۵۸	۶۸۳	۴۵۱	۱۴۳	۱۲۳
"	آئی اے سالانہ	۷۳۸	۱۱۸	۶۲۰	۲۹۳	۲۳۳	۶۵	۹۱
"	آئی-اے ضمیمہ	۲۲۰	۴۵	۱۷۵	۹۷	۸۸	۶	۱۴

سنہ	امتحانات	تعداد طلبا	مسلم	غیر مسلم	ہندی	اردو	بنگالی	اڑیا
۱۹۲۱	آئی ایس سی سالانہ	۱۴۹	۱۸	۱۳۱	۱۴۱	۲۷	۳۰	۲۵
"	آئی ایس سی ضمیمہ	۳۵	۶	۲۹	۱۲	۹	۳	۶
"	بی۔ اے سالانہ	۳۸۰	۷۵	۳۰۵	۱۰۸	۱۲۹	۴۷	۵۱
"	بی ایس سی سالانہ	۵۹	۲	۵۷	—	—	—	—
"	بی ایس سی ضمیمہ	۱۸	۱	۱۷	—	—	—	—
۱۹۲۲	میٹرک سالانہ	۲۲۱۲	۴۷۱	۱۷۴۱	۱۰۴۹	۵۰۴	۳۵۵	۲۴۵
"	میٹرک ضمیمہ	۴۳۵	۹۶	۳۳۹	۲۳۶	۱۲۰	۷۰	۲۲
"	آئی۔ اے سالانہ	۵۱۰	۱۱۱	۳۹۹	۱۸۴	۱۵۶	۶۳	۹۲
"	آئی۔ اے ضمیمہ	۲۰۴	۳۳	۱۷۱	۸۶	۶۳	۲۰	۳۰
"	آئی ایس سی سالانہ	۱۴۲	۲۳	۱۱۹	۳۳	۳۱	۴۸	۲۲

سنہ	امتحانات	تعداد طلبا	مسلم	غیر مسلم	ہندی	اردو	بنگالی	اڑیا
۱۹۲۲	آئی۔ایس۔سی ضمیمہ	۴۴	۸	۳۶	۵	۱۱	۳	۱۳
״	بی۔اے سالانہ	۲۵۳	۷۲	۱۸۱	۷۵	۹۰	۳۱	۴۳
״	بی۔اے ضمیمہ	۸۵	۱۹	۶۶	۲۷	۴۰	۷	۸
״	بی۔ایس۔سی سالانہ	۴۲	۴	۳۸	—	—	—	—
״	بی۔ایس۔سی ضمیمہ	۱۶	۳	۱۳	—	—	—	—
״	میٹرک سالانہ	۲۱۳۱	۵۲۹	۱۶۰۲	۹۹۲	۴۶۷	۳۶۲	۲۷۳
״	میٹرک ضمیمہ	۵۷۲	۸۰	۴۹۲	۲۷۲	۱۵۲	۸۴	۵۸
״	آئی۔اے سالانہ	۴۵۰	۸۳	۳۶۷	۲۱۸	۱۲۵	۴۲	۴۰
״	آئی۔اے ضمیمہ	۲۷۶	۵۹	۲۱۷	۱۲۶	۹۲	۱۹	۲۳
״	آئی۔ایس۔سی سالانہ	۱۶۹	۲۰	۱۴۹	۴۷	۳۰	۶۴	۲۳

سنہ	امتحانات	تعداد طلبا	مسلم	غیر مسلم	ہندی	اردو	بنگالی	اڑیا
۱۹۲۳	آئی-ایس-سی ضمیمہ	۷۹	۱۳	۶۶	۱۹	۲۰	۱۴	۱۳
،،	بی-اے سالانہ	۲۷۵	۴۴	۲۳۱	۱۰۶	۷۷	۳۴	۳۵
،،	بی-اے ضمیمہ	۱۵۲	۲۹	۱۲۳	۵۵	۵۴	۱۱	۲۲
،،	بی-ایس-سی سالانہ	۳۵	۲	۳۳	—	—	—	—
،،	بی-ایس-سی ضمیمہ	۱۵	۱	۱۴	—	—	—	—
۱۹۲۴	میٹرک سالانہ	۲۱۴۳	۲۰۲	۱۹۴۱	۱۰۳۴	۳۹۲	۳۷۵	۳۲۰
،،	میٹرک ضمیمہ	۶۸۹	۸۰	۶۰۹	۳۵۰	۱۵۸	۸۵	۷۴
،،	آئی-اے سالانہ	۵۷۹	۸۰	۴۹۹	۲۹۸	۱۴۳	۴۲	۵۲
،،	آئی-اے ضمیمہ	۳۳۰	۶۵	۲۶۵	۱۶۴	۱۰۰	۲۵	۲۶
،،	آئی-ایس-سی سالانہ	۱۹۵	۲۰	۱۷۵	۶۰	۲۴	۸۸	۱۸

سنہ	امتحانات	تعداد طلبا	مسلم	غیر مسلم	ہندی	اردو	بنگالی	اڑیا
۱۹۲۴	آئی۔ایس۔سی ضمیمہ	۱۰۷	۱۶	۹۱	۲۴	۲۱	۲۹	۱۴
"	بی اے سالانہ	۳۱۸	۵۴	۲۶۴	۱۲۸	۱۱۲	۲۲	۱۰
"	بی۔اے ضمیمہ	۱۴۵	۲۵	۱۰۰	۵۵	۵۱	۱۳	۱۶
"	بی۔ایس۔سی سالانہ	۳۴	۲	۳۰	—	—	—	—
"	بی۔ایس۔سی ضمیمہ	۲۳	۳	۱۴۰	—	—	—	—
۱۹۲۵	میٹرک سالانہ	۲۲۶۰	۲۳۷	۲۰۲۳	۱۰۸۱	۴۰۳	۴۰۳	۳۵۱
"	میٹرک ضمیمہ	۷۹۶	۱۲۲	۶۷۴	۴۰۹	۲۰۴	۹۴	۷۸
"	آئی۔اے سالانہ	۶۰۲	۱۰۸	۴۹۴	۲۹۶	۱۷۲	۵۴	۵۸
"	آئی۔اے ضمیمہ	۳۸۷	۶۹	۳۱۸	۲۰۰	۱۲۱	۴۵	۲۸
"	آئی۔ایس۔سی سالانہ	۲۰۲	۱۹	۱۸۳	۶۰	۲۸	۸۱	۲۰۶

سنہ	امتحانات	تعداد طلبا	مسلم	غیر مسلم	ہندی	اردو	بنگالی	اڑیا
۱۹۲۵	آئی۔ایس۔سی ضمیمہ	۸۶	۷	۷۹	۲۸	۱۰	۳۴	۹
"	بی۔اے سالانہ	۳۱۲	۶۱	۲۵۱	۱۴۸	۱۰۴	۳۱	۲۷
"	بی۔اے ضمیمہ	۱۳۰	۲۲	۱۰۸	۶۵	۳۸	۱۵	۸
"	بی۔ایس۔سی سالانہ	۵۰	۳	۴۷	—	—	—	—
"	بی۔ایس۔سی ضمیمہ	۳۳	۶	۲۷	—	—	—	—

نوٹ:۔ اس کی اصل کاپی رجسٹرار پٹنہ یونیورسٹی نے اپنے نوٹ اور دستخط کے ساتھ مہربانی سے بھیجی تھی وہ موجود ہے۔

مندرجہ بالا گوشوارے کے علاوہ نواب سید مبارک علی صاحب ام۔ ایل۔ سی کی عنایت سے ہمیں ایک چیز اور بھی مل گئی ہے جو اردو کی مقبولیت کا بہت اچھا ثبوت ہے۔ یہ صوبہ بہار اور اڑیسہ کے تمام رجسٹری آفس کی رپورٹ سے تیار کی ہوئی ایک فہرست ہے جس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک مہینہ یعنی جولائی ۱۹۲۳ء میں بہار اور اڑیسہ کے تمام رجسٹری آفس میں کتنے وثائق کس کس زبان میں تعمیل ہوئے۔ فہرست درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	ضلع	انگریزی	ہندی	اردو	اڑیا	بنگالی	میزان
۱	پٹنہ	۲۵	۱۴۳	۳۵۵۶	۰۰	۰۰	۳۷۲۴
۲	گیا	۲۳	۷۵۴	۱۲۹۲	۰۰	۰۰	۲۰۶۹
۳	شاہ آباد	۷	۴۱۶۷	۱۲۱۸	۰۰	۰۰	۵۳۹۲
۴	سارن	۱۹	۱۱۴۴	۷۴۹۷	۰۰	۰۰	۸۶۶۰
۵	چمپارن	۱۵	۱۸۵	۲۵۵۰	۰۰	۰۰	۲۷۵۰
۶	مظفرپور	۶	۶۸۴	۵۴۰۰	۰۰	۰۰	۶۰۹۰
۷	دربھنگہ	۳۹	۴۷۷۰	۲۰۳۵	۰۰	۰۰	۶۸۴۴
۸	مونگیر	۱۵	۱۵۵۷	۱۳۸۰	۰۰	۰۰	۲۹۵۲
۹	بھاگلپور	۸	۲۶۵۶	۵۵	۰۰	۰۰	۲۷۱۹

نمبر شمار	ضلع	انگریزی	ہندی	اردو	اڑیا	بنگالی	میزان
۱۰	پورنیہ	۹	۱۸۹۹	۳۳	۰۰	۵۲	۱۹۹۳
۱۱	سنتال پرگنہ	۲۵	۸۷	۰۰	۰۰	۳۳۷	۴۴۹
	میزان کل	۱۸۸	۱۴،۸۴۶	۲۵،۰۱۶	۰۰	۳۸۹	۴۰،۴۳۹

اُردو لٹریچر (ادب)

یہ سچ ہے کہ ترقی یافتہ مغربی زبانوں سے اردو ادب کا مقابلہ کرنا صحیح نہیں۔ لیکن ہندوستان کی تمام دوسری زبانوں کے مقابلے میں اردو ادب کا سرمایہ کچھ ایسا کم بھی نہیں۔ اردو ادب کے سرمائے کا تفصیلی جائزہ لینا تو بہت دشوار ہے۔ صرف اس کی فہرست کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوگی۔ لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے کچھ نہ کچھ سرسری طور پر بتانا ہی ہوگا۔

دنیا کے ہر ادب کا سرمایہ دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) نقل اور (۲) اصل۔ نقل سے وہ ادب مراد ہے جو دوسری زبانوں سے بذریعہ ترجمہ، تالیف، تلخیص وغیرہ کے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور اصل میں تمام مجتہدانہ مضامین آتے ہیں۔ انھی دو پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اردو ادب کے سرمائے کا بھی سرسری جائزہ لیا جائے۔

نقل کے سلسلے میں نظم اور ڈراما کو پہلے لیجئے۔ اس میں ہمارے سامنے بہت سی زبانوں کے ادب العالیہ کے تراجم آجاتے ہیں۔ ہومر کی ایلیڈ، کالی داس کی "شکنتلا"، میگھ دوت (پیک ابر)، ملٹن کی فردوس گم گشتہ، ٹیگور کی گیتانجلی، چترا، شیکسپیر کے تقریباً تمام ڈرامے، شریڈن کا اسیر حرص عرصے سے اردو میں موجود ہیں۔ سوفوکلس، سیفو، دانتے، گیٹے، لانگ فیلو، شیلے، بائرن، ورڈسورتھ اور ٹینی سن کی اکثر چیدہ نظمیں اردو میں آچکی ہیں۔

ناول یا افسانے میں رینالڈ اسکاٹ، میری کیرلی، کانن ڈائل، بنکم چندر، ٹیگور، ٹالسٹائی، اسٹونس، رائیڈر ہیگرڈ، اسکر وائلڈ، برنارڈ شاہ اور ایچ۔ جی ویلز کی اکثر و بیشتر معیاری کتابوں کا ترجمہ اردو ادب میں موجود ہے۔

مضمون نویسی کے مشہور ماہر و میکالے، کارلائل، اسمائلز اور لیوبک اردو داں طبقہ میں روشناس ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔

فلسفہ اور علم النفس (سائکولوجی) میں افلاطون کے متعدد مکالمے، ارسطو کی تصانیف، چانکیہ کے نصائح کے انتخابات، سنیکا کے خیالات (رفلکشنز) برکلے کے مبادی مکالمات، لیبان کی روح الاجتماع اور فلسفۂ انقلاب الامم بیکن، ہیوم کینٹ، نیٹشے، مل، اسپنسر، اسٹاوٹ، جیمس کے چند تصانیف اردو میں موجود ہیں۔

تاریخ و سیر میں پلوٹارک کی مشاہیر یونان و روما، تھیکر اور شوبل کی تاریخ یورپ، ڈوزی کی اسلامک اسپین، ولس کی تاریخ روس، ایبٹ کی نپولین اعظم، اسمتھ کی ہند قدیم، الفنسٹن کی تاریخ ہندستان، میلکم کی تاریخ ایران اور گبن کی رومن امپائر جیسی مستند کتابوں کے ترجمے عرصے سے اردو ادب میں موجود ہیں۔

سیاسیات و اقتصادیات کے سلسلے میں ارسطو کی پالیٹکس، مل کی آزادی (لبرٹی)، علم السیاست، سیاست مدن، قوانین دولت (لاز آف ویلتھ)، مارلے کی علم السیاست، کرزن کی پرشیا، میزنی کی ڈیوٹیز آف مین، شوستر کی خناق

ایران، وینبری کی مستقبل اسلام کے ترجمے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فلسفیانہ تاریخ کے سلسلے میں بکل کی تاریخ تمدن، گوئزے کی تمدن انگلستان، لی بان کی تمدن عرب، تمدن ہند، ڈریپر کی انٹلکچول ڈولپمنٹ آف یورپ اور دت کی تہذیب قدیم ہندستان کے ترجمے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

تعلیم میں ناڈ وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی کتابوں کے علاوہ اردو داں طبقہ اسپنسر بینا، فروبل، اپسٹالزی، ہربرٹ، مانٹی سوری کی تصانیف سے ناآشنا نہیں ہے۔

سائنس میں ڈریپر کی معرکہ مذہب و سائنس، ڈارون، ولس، ہیکل، ہکسلے، لائل، گیکی، ٹنڈال، یوس، کلون، میکسول، کروکس اور لاج کے انکشافات و تصنیفات سے اردو والے بہت زیادہ حد تک آشنا ہیں۔

قانون، فقہ، اور طبی کتابوں کے تراجم کے سلسلے میں تو صرف یہ لکھ دینا کافی ہے کہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن جیسی عظیم الشان اور باوقار یونیورسٹی میں قانون، طب وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم اردو میں ہی دی جاتی ہے ظاہر ہے اس سلسلے میں کتنی طبی اور قانون کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا ہوگا۔

تراجم کی یہ فہرست مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ہے مکمل فہرست کسی کے بس کی بات نہیں۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کی معیاری کتابوں کے تراجم کو توسم نے بخوف طوالت بالکل نظر انداز کر دیا ہے صرف مغربی لٹریچر کے تراجم کی فہرست پر اکتفا کیا ہے۔

مجتہدانہ طبع زاد تصانیف کے سلسلے میں سب سے پہلے نظم کو لیجئے۔ اس صنف میں میر، سودا، درد، غالب، مومن، حالی، انیس، دبیر، آتش، داغ، اقبال۔ اکبر الہ آبادی، حسرت، ریاض، عزیز، احسن مارہروی، جوش، جگر، سیماب کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اردو کے یہ وہ شعراء ہیں کہ اگر دوسری زبان کے شعراء کے مقابلے میں بھی انہیں پیش کریں تو ہمیں نادم نہیں ہونا پڑے گا۔

ناول اور افسانہ نگاری میں نذیر احمد، مرزا رسوا، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، راشد الخیری، پریم چند، اعظم کریوی، نیاض علی (علیگ) ظفر عمر بی۔ اے (علیگ) وغیرہ کی وہ ہستیاں ہیں جن پر اردو ادب فخر کر سکتا ہے۔

سنجیدہ نثر نویسوں میں سرسید احمد، نذیر احمد، محمد حسین آزاد، حالی، شبلی، چراغ علی، کرامت حسین، مولانا محمد علی، مہدی افادی، مولوی عبدالحق، سید سلیمان ندوی، ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریابادی، ظفر علی خاں وغیرہ اردو ادب کے ان محسنین میں سے ہیں جنہوں نے "کل کی نوخیز چھوکری یعنی اردو ادب کو بڑی بوڑھیوں سے آنکھیں ملانے کے لائق بنا دیا۔"

سب سے اخیر میں ہم ناظرین کی توجہ انجمن ترقی اردو ہند، دارالمصنفین اعظم گڈھ، دارالترجمہ حیدرآباد دکن، جامعہ دہلی، عبدالحق اکاڈمی حیدرآباد کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں، جن کے کارناموں نے اردو ادب کا سر اونچا کر دیا ہے اور آج ہم ان پر جتنا بھی فخر کریں بجا ہے۔

رسم الخط

یہ قول ایک بزرگ کے زبان کے سلسلے میں جنگ اور اختلاف جو کچھ ہے وہ رسم الخط کا ہے۔ اس لئے ہمیں سب سے زیادہ رسم خط کے موضوع پر پوری وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالنی ہے۔ ہمیں دیوناگری رسم خط سے کوئی دشمنی نہیں۔ ہم اس کی بھی عزت کرتے ہیں۔ بلکہ ہم تو اس کے حروف کی بناوٹ اور طباعت کی سہولت سے کافی حد تک متاثر ہیں۔ دیوناگری بھی اپنی جگہ قائم رہے۔ اس کی ترقی ہو۔ ہم اس کے دل سے خواہش مند ہیں لیکن یہاں سوال تو سواز نے کا ہے یعنی اردو اور ناگری میں کون سا رسم خط قابل ترجیح ہے۔ جسے ہم تمام ہندستانی اپنی قومی زبان اور رسم خط تسلیم کریں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے دودھ کا دودھ اپانی کا پانی کرکے حقیقت کو ایمان داری کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کرنا ہوگا تاکہ پبلک حقیقت سے واقف ہو کر اس معاملے پر خود غور کرکے کچھ طے کرسکے۔ یہاں پر نہ ہمیں تعصب اور جانبداری کو کام میں لانا ہوگا اور نہ اپنی پسند اور ناپسندیدگی کو دخل دینا ہوگا کیونکہ ایسا کرنے سے ایک محقق کی حیثیت سے ہم بہت زیادہ نیچے گر جائیں گے۔

کسی رسم خط کی اچھائی اور برائی کو دوسرے طریقے پر لکھا جا سکتا ہے (۱) بہ لحاظ خوبصورتی اور (۲) بہ لحاظ فوائد۔

خوبصورتی کے لحاظ سے تو ہمیں کچھ نہیں لکھنا ہے کیونکہ دیوناگری رسم خط
کی خوبصورتی سے بھی ہم ایک حد تک متاثر ہوں، رہا یہ لحاظ فوائد تو اسے
بھی ہمیں (۱) بہ لحاظ خواندگی اور (۲) بہ لحاظ کتابت دیکھنا ہوگا ۔

ماہرین لسانیات کا اتفاق ہے کہ ہر نظام تہجی کے تمام حروف ان
آوازوں کے جو بولنے میں پیدا ہوتی ہے ۔ مرئی نشانات ہوتے ہیں یہ حرف
تحریری زبان سے متعلق ہوتے ہیں اور آوازیں تقریری زبان سے حروف
ہجائیہ کی خاص غرض یہ ہوتی ہے کہ تقریری زبان کو آنکھوں کے سامنے
موزوں علامات کے ذریعے سے لے آئیں ۔ اس لئے حروف ہجائیہ کی
خوبیوں کا معیار صرف یہ ہے کہ وہ کس صحت و احتیاط کے ساتھ اصوات کی
ترجمانی و نمائندگی کرتی ہیں، اور ہم اگر غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ
اردو حروف اس معیار پر پوری طرح اترتے ہیں ۔

اردو نظام تہجی میں حسب ذیل دس آوازیں ہیں (۱) تین اصلی حروف
علت ہیں جن کے نام زبر، زیر، پیش ہیں ۔ یہ کسی علیحدہ حروف سے نہیں بلکہ
نشانات سے ظاہر ہوتے ہیں (۲) تین ویسے ہی کھینچکر پڑھے جانے والے
حروف علت ہیں جو ماقبل آہستہ پڑھے جانے والے حروف علت کے
بعد ہی آتے ہیں ۔

(الف) الف ساکن ماقبل مفتوح جیسے دال، مال کی آواز
(ب) واو ساکن ماقبل مضموم ۔ جیسے حور، سور کی آواز

(ج) اسی طرح یائے ساکن ماقبل مکسور جیسے کیل، میل کی آواز

(۳) دو ملے ہوئے حروف علت واؤ ساکن ماقبل مفتوح سے طور، غور جیسی آواز پیدا ہو گی۔ اسی طرح یائے ساکن ماقبل مفتوح سے قیصر، فیصل جیسی آواز پیدا ہو گی۔

(۴) دو حروف جو مجہول کہلاتے ہیں:۔ (۱) واو مجہول جیسے شور میں (۲) یائے مجہول جیسے تیل میں۔

یہی محاسن ترکیبی ہیں جنہوں نے اردو نظام ہجی کا بہ لحاظ صوت اپنی دوسری بہنوں کے سامنے سر اونچا کر دیا ہے۔ سر ولیم جانسن کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو انہوں نے عربی حروف ہجی پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

"مکمل زبان وہ ہے جس میں ہر وہ خیال جو انسانی دماغ میں آسکتا ہے نہایت صفائی اور زور کے ساتھ ایک مخصوص لفظ کے ذریعے سے ظاہر کیا جاسکے۔ خیالات اگر سادہ ہوں الفاظ بھی سادہ اور اگر خیالات مشکل ہوں تو وہ بھی مشکل۔ اسی طرح مکمل رسم خط وہ ہے جس میں اس زبان کی ہر آواز کے لئے ایک مخصوص نشان ہو، اردو نظام ہجی کا جائزہ لیا جائے تو یہ اتنا مکمل معلوم ہوگا جتنا کسی انسانی زبان کے لئے اب تک ممکن تھا۔

کتابت کے نقطۂ نظر سے اس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ حروف علت کو بہ حیثیت حروف کے کوئی جگہ نہیں دیتی۔ بلکہ صرف نشانات سے

انھیں ظاہر کرتی ہے۔ اس میں حروف علت حرفوں سے نہیں بلکہ اعراب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ حروف علت بہ ذات خود مستقل آوازیں نہیں ہیں بلکہ محض اصوات کے لب و لہجہ اتار چڑھاؤ میں مدد دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے ناگری کے اندر حروف علت کے اندر کوئی امتیاز نہیں ہے۔

اب ہم اس سلسلے میں چار تقابلی نقشے پیش کر کے بہت سی حقیقت کو واضح کریں گے۔ جس سے ناظرین کو اپنی رائے قائم کرنے میں سہولت ہو۔ ساتھ ہی ساتھ تفصیل کے ساتھ ہم اپنی رائے کا بھی اظہار کرتے جائیں گے

مقابلہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
اردو دیوناگری	ا अ	ب ब	بھ भ	پ प	پھ फ	ت त	تھ थ	ٹ ट	ٹھ ठ	ث ×	ج ज	جھ झ
	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴
اردو دیوناگری	چ च	چھ छ	ح ×	خ ×	د द	دھ ध	ڈ ड	ڈھ ढ	ذ ×	ر र	ڑ ड़	ڑھ ढ़
	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶
اردو دیوناگری	ز ×	ژ ×	س स	ش श	ص ×	ض ×	ط ×	ظ ×	ع ×	غ ×	ف ×	ق ×

	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷
اردو	ک	کھ	گ	گھ	ل	م	ن	و	ہ	لا	ی
دیوناگری	क	ख	ग	घ	ल	म	न	व	ह	×	य

مندرجہ بالا حروف میں آٹھ حروف یعنی ث، ح، ص، ض، ط، ظ ع اور ق خالص عربی[1] ہیں۔ اور پ، چ، ژ اور گ خالص فارسی ہیں۔ جو عربی میں کبھی نہیں آتے۔ ژ کو مستثنیٰ کر کے بقیہ تین حروف ہندی میں بھی مشترک ہیں۔ نیز چودہ حروف یعنی بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈ، ڈھ، ڑ، ڑھ، کھ، گھ خالص ہندی حروف ہیں۔ جن میں سے ٹ، ڈ، ڑ، ایسے آزاد حروف ہیں جو سادی آواز نکالتے ہیں۔ بقیہ گیارہ ہیں تو جدا لیکن ہ کے ساتھ مل کر بنتے ہیں۔

---

[1] عربی رسم خط کی تکمیل اور درستگی کے سلسلے میں جعفر برمکی کا وہ خط جو اس نے اپنے میر منشی محمد بن اللیث کو کتابت کے سلسلے میں ہدایت کرتے ہوئے لکھا تھا خاص طور پر توجہ کے لائق ہے خط کا ترجمہ یہ ہے :-

"حمد و نعت کے بعد معلوم ہو کہ اول تو قلم ایسا بنانا چاہیے جو ترچھا ہو لیکن زیادہ سخت اور نازک نہ ہو۔ نہ کاٹ تنگ ہو۔ اور برابر سے اس طرح پر تراشا جائے جیسے کبوتر کی چونچ ہوتی ہے۔ گہراؤ کی طرف ذرا جھکا ہوا اور خط کی جگہ باریک ہو۔ اور دوشناؤ فارسی ساخت کی وزن میں ہلکی ہو۔ اور رات م رات اس کو بھگو کر صبح کو دوات میں چھوڑ دو۔ اور کاغذ باریک ہو۔ اور بناوٹ میں برابر اور اس کو اس طرح پر موڑو کہ ایک جانب کی موٹائی۔ اس کے آخر تک برابر ہو۔ ورنہ سطر میں سیدھی نہ آئیں گی۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ لکھتے وقت زیادہ کھینچاؤ کاغذ کے بائیں جانب ہونا چاہیے۔ پھر وسط میں کم اور دوسرے جانب بالکل نہ ہو کیونکہ پیش نصف تحریر کے برابر ہے لیکن ان امور پر دانشمند آدمی قابو پا سکتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ اپنے ہاتھ کی حرکت کا خیال رکھے" اس خط کو پڑھ کر آدمی خود غور کر سکتا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مندرجہ بالا نقشے کو پڑھ کر کئی حقیقتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اردو کے چودہ حروف کے لئے دیوناگری میں مرادف حروف نہیں تھے اس نقص اور خامی کو محسوس کرکے اس کی کسی حد تک تلافی کرنے کے لیے ہندی والوں نے نقطے کا استعمال رائج کیا۔ ان کے نقلی حروف ख़ خ ज़ ز ग़ غ फ़ ف اور क़ (ق) ہیں۔ لیکن اس سعی لاحاصل کے باوجود انھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کیوں کہ ان کا نقلی حرف ज़ (ز) اردو کے چار حروف ذ، ز، ض، ظ کے تشابہ ہوجاتا ہے۔ علاوہ اس کے ان کا स س، ث، ص کے تشابہ ہوجاتا ہے اور ह ح اور ہ کی نمائندگی کرتا ہے ان کا त ت اور ط دونوں کی یاد دلاتا ہے اور अ آ اور ع کے کام میں آتا ہے اور اس سے جیسا کہ ہم آگے تفصیل سے بتائیں گے طرح طرح کی خرابی اور پراگندگی پیدا ہوجاتی ہے۔

دوسرا قابل خیال نقص دیوناگری میں ژ کا نہ ہونا ہے۔ اس کا مرادف بھی کوئی حرف نہیں ملتا۔ اس کے معنی یہ ہوتے کہ اگر اژدہا، پاژند، ژردشت پلیٹر ہندی میں لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکتے۔ ہندی رسم الخط اس کے لکھنے سے قاصر ہے۔ تعجب ہے ان نقائص اور خامیوں پر نظر رکھتے ہوئے

ہے کہ جن بزرگوں نے قلم، روشنائی اور کاغذ تک کے قاعدے مقرر کئے ہیں انہوں نے کتابت کے بہتر اور مکمل سے مکمل اصول و قواعد کیوں نہ بنائے ہوں گے۔ اردو رسم خط نے چونکہ اس رسم خط سے بھی خوشہ چینی کی ہے اس لئے اس کے خزانے میں کافی جواہر پاروں کا اضافہ ہوگیا ہے۔

بھی گاندھی جی جیسا روشن ضمیر اور بلند خیال انسان کس طرح یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ :۔

" میرے تئیں رائے میں دیوناگری رسم خط سب سے زیادہ سائنٹفک اور مکمل ہے۔ اور اسی نقطۂ خیال سے یہ قومی رسم خط ہونے کے سب سے زیادہ لائق ہے "[1]

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو رسم خط میں ہندی کے دس حروف صحیح یعنی ख (کھ)، घ (گھ)، छ (چھ)، झ (جھ)، ठ (ٹھ)، ढ (ڈھ)، थ (تھ)، ध (دھ)، फ (پھ)، भ (بھ) کو محض نقلی اور عارضی طور پر قبول کر کے اسے مکمل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ حروف سامی الاصل نہیں ہیں۔ لیکن علم الاصوات کے ایک طالب علم کے نزدیک یہ اعتراض ہی اپنی جگہ پر اردو رسم خط کو سائنٹفک اور مکمل ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ اس کی ہیئت ترکیبی مرکب آواز کی نمائندگی کرتی ہے جو ہندی کے مفرد صوت میں محض ہ کے بڑھا دینے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی طریقہ اردو یا ہندی کو رومن میں تبدیل کرنے کے لئے انگریزی نے بھی اختیار کیا ہے۔

اسی سلسلے میں دیوناگری رسم خط کی بے بسی ملاحظہ ہو کہ ان دس حروف صحیح کے باوجود دیوناگری میں ڈھ کو ادا کرنے کے لیے کوئی حرف نہیں ہے یہاں تک کہ ہندی کو ڈھ کو بھی ناگری رسم خط صحیح طور پر لکھنے سے قاصر ہے۔ برخلاف

---

[1] ملاحظہ ہو گاندھی جی کا خط جو سنڈے کرانیکل میں ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء کو شائع ہوا تھا۔

اس کے اردو رسم خط اپنے بنائے ہوئے مکمل اصول کی بنا پر اس طرح کے ہر لفظ کو بہت آسانی اور خوبی کے ساتھ لکھنے پر قادر ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اردو رسم خط میں ایک چھوٹا سا 'ط' بعض حروف کے اوپر دے کر نئی آواز پیدا کر لیتے ہیں۔ مثلاً ٹ، ٹھ، ڈ، ڈھ ڑ، ڑھ تو اس کے جواب میں اردو والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آخری دو حروف یعنی ڑ (ड़) اور ڑھ (ढ़) کے بارے میں تو ہندی والوں کا عذر عارضی ہے یعنی ایک ایسا اعتراض ہے جس کے خود وہ بھی مرتکب ہیں کیونکہ ड़ اور ढ़ میں نیچے نقطے بڑھا کر ان کو بھی ڑ ड़ اور ढ़ بنانا پڑا ہے۔ باقی اس سلسلے میں اتنا اور کہنا ہے کہ اردو نے یہ طریقے عربی رسم خط سے ماخوذ کیا ہے اور کئی صدی سے اردو میں چلا آ رہا ہے۔ اور اس طریقے کو سبھوں نے سراہا ہے

ہندی والوں کا یہ کہنا کہ حروف تہجی کی ترکیب کے لحاظ سے اردو رسم خط علم الاصوات کے اصول پر پورا پورا نہیں اترتا ہے۔ ایک طرح پر ٹھیک معلوم ہوتا ہے لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کی قدامت دیوبانی سنسکرت رسم خط سے بھی زیادہ ہے۔ ہمارے سامنے سے یہ نقص بالکل دور ہو جاتا ہے، یہ تو صاف ظاہر ہے کہ اردو حروف تہجی کی ترتیب عبرانی اصول پر نہیں ہے۔ اب یہ سوال کہ پھر اس کی ترتیب کب ہوئی اور کس اصول پر ہوئی۔ اس کا مفصل جواب دینا تو مشکل ہے۔ لیکن یورپین رسم خط کے اصول کے ساتھ اس کی مناسبت بتلاتی ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں یہ حروف کی بھی ترتیب آرین قوم کے اصلی گھر میں موجود

تھی۔ جہاں سے ان کی شاخ پھیلی اور اس ترتیب کو وسط ایشیا سے لے کر جانب مغرب یورپ اور جانب شمال ایران تک لے گئی اور یہ دیوناگری رسم خط کا ایجاد اس وقت ہوا جب کہ ایرین ہندستان آئے۔ شہادت کے طور پر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ A.B.C.D. کی ترکیب بالکل ا، ب، ج[1]، د، (ابجد) کے متشابہ ہے اسی طرح پانچ حروف "K.L.M.N.O." کی بھی بالکل وہی ترتیب ہے جو ک، ل، م، ن، و، کی ہے۔ یہ باتیں محض اتفاقی طور پر نہیں ہیں ایسے حسن اتفاق پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ یہ درحقیقت قدیم برادری کو ظاہر کرتی ہے۔ جو اردو اور قدیم ایرین حروف تہجی کی ترتیب کے درمیان ہے۔ دوسری طرف دیوناگری رسم خط کو ہندوستان میں ایرین نے ایجاد کیا اور یہ محض اس لئے کہ سنسکرت زبان سے اس کا تعلق پیدا ہو جائے اور کاروبار میں ان کو آسانی ہو۔

---
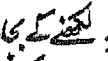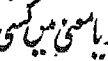
[1] یہ بہت ممکن ہے کہ ان دنوں " C " کی آواز "ج" کی طرح نکلتی ہو کیونکہ کم از کم شکل تو دونوں کی ایک ہی سی ہے۔

نقشہ نمبر ۲

دیوناگری حروف کا اردو رسم خط سے مقابلہ

مقابلہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
دیوناگری اردو	अ ا	आ آ	इ اِ	ई اِی	उ اُ	ऊ اُو	ऋ ..	ॠ ..	ऌ ..	ॡ ..	ए اے	ऐ آے
	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴
دیوناگری اردو	ओ آو	औ اَو	अं اں	अः اہ	क ک	ख کھ	ग گ	घ گھ	ङ ..	च چ	छ چھ	ज ج
	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶
دیوناگری اردو	झ جھ	ञ ..	ट ٹ	ठ ٹھ	ड ڈ	ढ ڈھ	ण ..	त ت	थ تھ	द د	ध دھ	न ن

مقابلہ	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸
دیوناگری اُردو	प پ	फ پھ	ब ب	भ بھ	म م	य ی	र ر	ल ل	व و	श ش	ष ..	स س
	۴۹	۵۰	۵۱	۵۲								
دیوناگری اُردو	ह ہ	क्ष ..	त्र ..	ज्ञ ..								

مندرجہ بالا (تقابلی) نقشے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دیوناگری رسم خط میں چار حروف علت، تین حروف غنہ، ایک حروف صحیح اور تین مرکب حروف ایسے ہیں جن کا مرادف اردو میں نہیں ہے۔

(الف) چاروں حروف علت کے سلسلہ میں تو یہ عرض ہے کہ اس کے آخری تین حروف ایسے ہیں جو ہندی بھاشا میں کبھی استعمال ہی نہیں ہوتے اور پراکرت بھاشا کے لئے بالکل عجوبے ہیں۔ اور پہلا بھی بہت شاذ و نادر استعمال ہوتا ہے۔ اور وہ بھی بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ۔ علاوہ ازیں اس طرح کے لفظ کو جیسے [illegible] لکھنے کے بجائے اگر ہندی میں دوسرے حرف کی مدد سے اسی طرح [illegible] لکھا جائے تو آواز یا معنی میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے یہ بھی کام کے لحاظ سے محض سطحی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کاتھی اور مہاجنی وغیرہ میں یہ حروف بیکار سمجھکر اڑا دیا گیا۔ البتہ یہ چاروں حروف خالص سنسکرت میں مستعمل ہیں لیکن اس میں بھی کچھ ایسی کارآمد، معقول اور مناسب جگہ ان حروف کی نہیں ہے کہ ان حروف کے ایجاد کرنے والے کے دماغ کی تعریف کی جاسکے۔

(ب) ان تین حروف غنہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ تینوں ہندستان کی پراکرت زبانوں میں استعمال نہیں کئے جاتے۔ ان کی جگہ "न" کا استعمال ہے جس سے بالکل اسی طرح کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے اردو رسم خط میں "جنگل" "پنج" "گنج" "کرشن" وغیرہ ہندی کے یہ تینوں حرف بغیر کسی قسم کا لحاظ کئے ہوئے بہت صحیح طور پر لکھے جاتے ہیں۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ

یہ تینوں حروف سائنٹفک اصول کا لحاظ کرتے ہوئے ایجاد کیے گئے ہوں گے کیونکہ اس طرح حروف کئی گروپ (ٹولی) میں تقسیم ہو جاتے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان حروف کے اڑا دینے سے ممکن ہے سنسکرت کے اسکالر (طالب علم) کو کچھ تھوڑا بہت افسوس ہو ورنہ ہندستان کی کسی زبان میں ذرا بھی کمی نہ محسوس ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ بجا طور پر ان تینوں حروف کو کاٹھی مہاجنی اور دوسرے تمام ہندستانی رسم خط سے نکال دیا گیا ہے۔

(ج) دیوناگری میں 'ش' کی آواز پیدا کرنے والے "ष" "श" ہیں لیکن اردو میں ان کے مرادف صرف ایک ہی ش ہے۔ ظاہری طور پر تو اردو رسم خط میں یہ ایک کمی معلوم ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صرف ایک ش سے پورا پورا کام نہیں چلتا؟ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو میں لفظ "کرشن" कृष्ण اور "درشن" दर्शन دونوں پوری صحت کے ساتھ ہی ایک "ش" سے لکھے جاتے ہیں اور ہر شخص انہیں صحیح سمجھتا اور پڑھتا ہے۔ آج تک ایک مثال بھی اس طرح کی نہیں دی جا سکتی کہ "ش" سے "श" اور "ष" کا کام لیا گیا ہو اور کسی شخص کو پڑھنے میں کچھ دقت یا گڑبڑی پیدا ہوئی ہو۔ علاوہ اس کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دسری پراکرتوں میں "ष" کا تلفظ ख کیا جاتا ہے اس سے تو اس لفظ کی بڑی ہی بے وزنی، غیر سودمندی اور سطحیت ظاہر ہوتی ہے۔

(د) تین مرکب حروف کا مرادف اگر اردو میں نہیں ہے تو یہ کوئی قابل ذکر بات

ہی نہیں ہے کیوں کہ مرکب حروف کے معاملے میں اردو بہت معیاری اور سائنٹفک ہے۔ دیوناگری کی طرح یہاں اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ہر ایک مرکب حرف کے لئے علحدہ علحدہ مرکب آواز ہو یا مرکب آواز کے لئے علحدہ علحدہ مرکب حرف ہو۔

اب صاف ظاہر ہے کہ اردو رسم خط میں دیوناگری کے ان گیارہ حروف کی کسی کے باعث کوئی نقص نہیں پڑتا لیکن اس کے برعکس اگر اردو سے خالص فارسی[1] اور عربی کے حروف کو نکال دیا جائے تو مندرجہ ذیل ناقابل تلافی خرابی پیدا ہو جائے گی۔

(۱) تمام وہ الفاظ جو ان حروف پر مشتمل ہیں، اردو زبان سے جلا وطن کر دیئے جانے ضروری ہیں اور اس طرح عربی اور فارسی کے بہت زیادہ الفاظ جو اس وقت تک ہندستانی زبان کے خزانے میں جمع ہیں۔ ان سب کو ایک ساتھ نکال پھینکنا پڑے گا۔ یہ ایسا ناقابل تلافی نقصان ہوگا جسے ہندستان میں بسنے والا ایک شخص بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کا مشاہدہ اکثر پبلک جلسے میں ہوتا ہے کہ اگر غلطی سے یا قصداً کوئی پنڈت فارسی کے مستعمل لفظ کی جگہ سنسکرت نما ہندی کا لفظ استعمال کر دیتا ہے تو عوام جن میں زیادہ حصہ جاہلوں کا ہوتا ہے۔ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں

(۲) الفاظ حروف کے امتیاز اور فرق کے بغیر لکھے جائیں گے تو معنی میں غیر

---

[1] یہ واضح رہے کہ فارسی حروف پ، چ، گ دیوناگری میں بھی موجود ہیں۔

معمولی اشتباہ اور گڑبڑی پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ لفظ میں ایک حرف کی بھی تبدیلی اور فرق سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ مثلاً (الف) "عرضی" اور "ارضی" دیوناگری میں صرف ایک طرح یعنی अर्ज़ी لکھا جائے گا۔ حالانکہ پہلے کے معنی درخواست کے ہیں اور دوسرے کے "زمین سے متعلق ہیں۔ (ب) "سور" اور "صور" دیوناگری میں صرف ایک طرح सूर لکھا جائے گا لیکن پہلے کے معنی اندھا (ہندی میں) اور خوشی (فارسی) ہیں۔ دوسرے کے معنی بگل، ترم کے ہیں (ج) "اعلیٰ" اور "آلہ" دیوناگری میں صرف आला لکھا جائے گا لیکن پہلے کے معنی بلند اور دوسرے کے معنی آواز کے ہیں۔

(د) "فعل" اور "فیل" دیوناگری میں صرف ایک طرح پر फ़ेल لکھا جاتا ہے لیکن پہلے کے معنی کام اور دوسرے کے معنی ناکامیابی کے لیے جاتے ہیں۔

(س) "حالی" اور "حال" دیوناگری میں हाल لکھا جائے گا لیکن پہلے کے معنی اس لوہے کے حلقے کے ہیں جو بیل گاڑی کے چکے میں ہوتا ہے، اور دوسرے کے معنی کیفیت کے ہیں۔ اسی طرح "ہل" اور "حل" हल "کھانا" اور "خانہ" खाना وغیرہ میں بھی گڑبڑی پیدا ہو گی۔ یہ چند مثالیں نمونے کے طور پر ہم نے پیش کردی ہیں۔ ورنہ اس طرح کے الفاظ کی بہت طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے غرض یہ کہ وہ لوگ جو فارسی اور عربی حروف کو اڑا دینے کے طرفدار ہیں ان دونوں ناقابل تلافی نقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ ورنہ ہندستانی زبان سے ناواقفیت ظاہر ہو گی۔

یہ ہمیں تسلیم ہے کہ اردو میں متجانس آواز کے حروف ا،ع = ت،ط = ث،س،ص = ح، ہ = ذ، ز، ض، ظ جو مستقل ہیں وہ اپنے اصل زبان میں ایک طرح سے تلفظ نہیں کئے جاتے ہیں بلکہ ہر ایک کا مخرج جدا جدا ہے اور اردو میں علم الاصوات کے اصول بیان کا تلفظ صحیح صحیح نہیں کیا جاتا ہے لیکن اگر ہندوستانی ان حروف کو صحیح طور پر تلفظ کر سکیں یا ان کا مخرج صحیح طور پر ادا کر سکیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حروف بھی بے کار اور مہمل سمجھ لئے جائیں۔ بنگالی ष اور स = श اور व = ब اور [illegible] کا ایک ہی طرح تلفظ کرتے ہیں تو کیا اس کی وجہ سے یہ مناسب ہوگا کہ دیوناگری زبان کے ان حروف میں سے ایک ایک کو اڑا دیا جائے۔

نقشہ نمبر ۳

اردو حروف کے نشانات

ا ب ج د ر س ص ط ع ف ق ک ل م ن و ہ ی = ۱۸

آ اِ اُ = ۳

نقشہ نمبر ۴

دیوناگری حروف کے نشانات

अ, इ, उ, ऋ, ऌ, ए, क, ख, ग, घ, ङ, च, छ,
ज, झ, ञ, ट, ठ, ड, ढ, ण, त, थ, द, ध, न,

प, फ, ब भ, म, य, र, ल, व, श, ष स, ह,

क्ष, त्र, ज्ञ, = ۴۲

ा ि ी ु ू ृ, े ै ो ौ ं : = ۱۳

مندرجۂ بالا تیسرے اور چوتھے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو رسم خط میں صرف تین مختصر اعراب ہیں اور اٹھارہ بنیادی حروف۔ بقیہ حروف انہیں سے نقطے وغیرہ بڑھا کر بنا لیے گئے ہیں۔ برعکس اس کے دیوناگری میں باون حروف ہیں، اور کم از کم تیرہ ماترے (اعراب)۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ طالب علم کے لیے کس رسم خط کے سیکھنے میں زیادہ دقت اور دشواری ہوگی۔

یہ صحیح ہے کہ اردو رسم خط کی طرح دیوناگری میں بھی اختصار کا طریقہ ہے۔ لیکن اس اختصار کے باوجود دیوناگری حروف اور ماتروں میں زیادہ کمی نہیں ہوتی۔

اردو میں یہ بڑا اچھا قاعدہ ہے کہ ایک لفظ کے تمام حروف[1] آپس میں ملا کر لکھے جا سکتے ہیں۔ ہندی میں یہ خوبی نہیں ہے۔ اردو رسم خط کو اس طریقے سے مندرجہ ذیل کئی فوائد حاصل ہیں:۔

(۱) تمام الفاظ ایک خاص طرح کے دیدہ زیب اور تصوری رسم خط میں

---

[1] ا، د، ر، و اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ یہ چاروں حروف کسی لفظ کے ابتدا اور درمیان میں ملا کر نہیں لکھے جا سکتے۔

ہوتے ہیں اور اس طرح اردو خط کے پڑھنے میں آنکھ کو ادھر اُدھر بھٹکنا نہیں پڑتا۔ بس ایک نظر ڈالتے ہی فوراً انسان لفظ کو پڑھ لیتا ہے

(۲) الفاظ ہر حالت میں لکھے جا سکتے ہیں بغیر اس بات کے خوف کے کہ اس کے دوبارہ نقل میں دقت ہوگی برخلاف اس کے ناگری میں ہر لفظ کے بعد تھوڑا تھوڑا فاصلہ دے کر لکھنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ پھر دوبارہ صحیح طور پر پڑھا ہی نہیں جا سکتا۔

(۳) اردو رسم خط میں ایک طرح کی اختصار نویسی اور تیز دستی ہے کیونکہ اس کے بیشتر الفاظ میں حروف کا وصل بلا کسی فصل کے ہوتا ہے۔ اس بنا پر اردو ایک لحاظ سے "شارٹ ہنڈ" بھی کہلانے کا مستحق ہے۔ برخلاف اس کے ناگری لکھنے میں بڑی دیر ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام حروف ماترے اور ڈانڈی کے ساتھ لکھنے ضروری ہیں۔ اس لئے اس کا لکھنے والا اردو خط کے لکھنے والے کے مقابلے میں تیز نہیں لکھ سکتا۔ ساتھ ہی چونکہ اس رسم خط میں ہر حروف کے درمیان فصل ہوتا ہے اس وجہ سے پڑھنے میں نظر کو ہر حرف کے بعد خفیف توقف کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مسٹر بیمز کا قول خاص طور پر قابل غور ہے وہ اپنی گرامر میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

بے ڈھنگے ناگری رسم خط کے مقابلے میں ہندوستانی (اردو) زبان نے فارسی رسم خط کو پسند کر کے اپنے اندر بہت سہولت اور روانی پیدا

لہ ملاحظہ ہو بیمز کی گرامر کا صفحہ ۴۸۔

کرلی ہے۔

اردو کے ایک فاضل مولانا عبد الماجد دریابادی کا بھی اس سلسلہ میں قول ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:۔

"اردو کتابت ایک طرح کی مختصر نویسی ہے ہر حرف کی پوری شکل کے علاوہ ایک مختصر صورت بھی ہوتی ہے اور یہ انہیں مختصر صورتوں کو جوڑ کر لفظ بنانے کا طریقہ ہی ہے جس نے اردو لکھنا اس قدر سہل کر دیا ہے اس سے جگہ کی کفایت، وقت کی کفایت، لکھنے والے اور پڑھنے والے دونوں کے لیے قوت (نرجی) کی کفایت ہوتی ہے۔"

ہم ابھی اوپر چار نقشے پیش کر چکے ہیں جس سے بہت سی حقیقتوں کا انکشاف ہوا ہوگا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اس سلسلے میں ایک مختصر سا موازنہ بھی پیش کریں۔ یہ اردو اور دیوناگری رسم خط کا موازنہ ایک طرح سے اوپر دیے ہوئے چار نقشوں کا نچوڑ اور خلاصہ بھی ہوگا۔

موازنہ اُردو اور دیوناگری رسم الخط

(۱) اُردو خط کے ۳۵ حروف تہجی ہیں
جن میں ہندی، عربی، فارسی
تینوں زبان کے حروف شامل ہیں
ان میں سے ٹ۔ ڈ۔ ڑ ہندی
ہیں۔ فارسی یا عربی میں نہیں آتے
اور ث۔ ح۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ
ع۔ ق۔ خاص عربی ہیں فارسی
یا ہندی میں نہیں آتے۔ اور
پ۔ چ۔ گ فارسی اور ہندی
میں آتے ہیں۔ عربی میں نہیں
آتے۔ اور ژ، صرف فارسی
میں آتا ہے۔ ہندی، عربی کسی
میں نہیں آتا۔ ذال معجمہ فارسی
یا ہندی میں نہیں آتی۔ صرف
عربی میں آتی ہے لیکن یہ فخر
صرف اُردو کو حاصل ہے کہ یہ

(۱) ہندی میں بہت زیادہ حروف
ہیں۔ مگر زیادتی کے باوجود وہ محض
ہندی کے کام آسکتے ہیں۔ عربی
یا فارسی الفاظ کے واسطے یہ حروف
بالکل ناکافی ہیں۔ ہندی حروف
میں ایک بہت بڑا عیب اور بھی
ہے جس کی وجہ سے ہندی حروف
اپنے ہندی الفاظ بھی صحیح طور پر
لکھنے کے لائق نہیں۔ وہ ہندی
حروف کی آواز بالحرکت ہے
مثلاً چ च جھ झ پ प
گ ग وغیرہ ان حروف کو اگر
دوسرے حروف کے ساتھ ترکیب
دے کر کوئی لفظ بنایا جائے تو
لفظ کا آخر حروف بجائے ساکن
اور موقوف ہونے کے متحرک معلوم

تمام حروف اردو میں مستعمل ہیں۔ یہ
ایک ایسا طرۂ امتیاز اُردو کو ہے
کہ اس کو بجا طور پر تمام دوسرے خطوط
پر ترجیح دی جا سکتی ہے

(۲) اُردو حروف کی خوبی یہ ہے
کہ خواہ کسی زبان کا لفظ ہو اس کو
صحیح تلفظ اور املا کے ساتھ ضبط تحریر
میں لا سکتے ہیں۔ مثلاً ژند۔ پاژند
(فارسی)
طلحہ۔ رکن الدین۔ بالفعل
صانع (عربی)
سری کشن۔ جہادیو۔ شکنتلا۔
(ہندی)
بلیسٹر۔ آئرلینڈ۔ ٹیلیگراف
(انگریزی)

ہوگا، جیسے ہمکو لکھنا ہے سچ تو
ہندی میں لکھا جائے گا सच
سچ۔ رگ اور ناچ ہندی حروف
میں لکھنے کے بعد پڑھے جائیں گے
رگ रग ناچ नाच اور اس
طرح گویا صحت لفظی زائل ہوجاتی
ہے۔

(۲) ہندی میں بہت سے عربی،
فارسی، اور انگریزی کے الفاظ
کا صحیح املا لکھنے کی قابلیت نہیں
مثلاً ژند۔ پاژند۔ اژدہا۔
ہندی۔ رسم خط میں لکھ ہی نہیں
سکتے۔ کیونکہ ژ ا ئے فارسی کے
بجائے ہندی میں کوئی حروف
ہی نہیں۔ طلحہ۔ رکن الدین اور
بالفعل ہندی میں तलहा
تلہا रुकनुद्दीन رکندین
اور बिल फेल بل فیل

لکھا جائے گا۔ جو سب کے سب بے معنی
اور مہمل لفظ ہو جائیں گے۔ یہ خرابی
اس بنا پر ہے کہ ہندی میں ظا و
حا مہملہ حطی ع مہملہ کا مرادف کوئی
حرف ہی نہیں ہے۔ اسی طرح
قانع काने صانع साने واقع
वाके وغیرہ بیشمار الفاظ ملینگے
جو ہندی رسم خط میں آتے ہیں۔
قانے۔ سانے۔ واکے ہو کر بالکل
بے معنی اور مہمل لفظ ہو جائیں گے۔
انگریزی کا لفظ پلیژر۔ PLE-
ASURE بھی ہندی میں لکھنا
ناممکن ہے۔

(۳) لیکن دیوناگری ث۔ ح
ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ ژ
کی بجائے اب تک کوئی حرف
عالم ایجاد میں نہ لا سکی

(۳) اردو نے ب پ ت ج
وغیرہ میں صرف ہائے مخلوط (ھ)
شامل کر کے انتہائی اختصار سے
وہی کام نکالا ہے جو کہ ہندی کے
بہت زیادہ حروف [illegible]

कत - घर وغیرہ کا مقصود ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ مکمل اور سائنٹفک۔

(۴) اُردو خط میں اعراب کی بالکل ضرورت نہیں۔

(۴) ناگری خط میں منترے (اعراب) جزو لاینفک ہیں۔ یعنی منتروں کے بغیر ہندی رسم خط ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔ مثلاً چور चोर جیسی चीनी پینا पीना چونا۔ चार بغیر منترے کے چار चूना چانا चाना یا تانا पाना چنا चना پڑھا جائے گا۔

(۵) اُردو خط میں یہ موجب اصول الا ان لفظوں کو جن کا جدا جدا لکھنا بہتر ہے اگر ملا کر لکھیں جب بھی ان کے پڑھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ مثلاً: عبداللہ یوانی۔ کچھ سکنر نیملم زالید غسلنی نہ۔

(۵) ناگری خط میں ان لفظوں کو جن کا جدا جدا لکھنا بہتر ہے۔ اگر ملا کر لکھیں تو پڑھنے میں ان کے معنی ومفہوم میں سخت غلطی و دقت ہوتی ہے۔ مثلاً خط نا ہے [illegible] है (نفتنہ ہے) گھر بار والے جاتے تھے میں لفظ گھر بار اور والے - घरवा [illegible]

(۶) اُردو خط میں قریب المخرج حروف کی امتیاز کے لئے تفریق املا لازم ہے۔ مثلاً الم۔ علم۔ آم۔ عام جال۔ جعل وغیرہ

हाथ کو ایک ہی ڈانڈی سے ملا کر لکھ دینے سے گھر یا گھالے جانتے تھے۔ ایک مہمل سا جملہ ہو جائے گا

(۶) ہندی خط نے قریب المخرج حروف کی امتیاز کے لئے باعتبار املا کوئی تفریق نہیں رکھی۔ مثلاً علم و الم अलम عام و ام आम جعل و جال जाल مختلف المعنی الفاظ میں کوئی تفریق املا نہیں۔ اور اس سے معنی و مفہوم میں سخت غلطی اور پیچیدگی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اب میں بغیر کسی جانب داری کے ٹھنڈے دل سے ان اعتراضات پر غور کرنا چاہتا ہوں جو ہندی والے اردو رسم الخط پر کرتے ہیں۔ اگر واقعی وہ اعتراضات صحیح ہوں، تو اس کی درستگی اور تصحیح کرنی چاہیئے۔ اور اگر وہ غلط ہوں تو اُسے ہندی والوں کی ہٹ دھرمی اور ناواقفیت پر محمول کیا جائے۔ اب میں یکے بعد دیگرے اعتراضات کو پیش کروں گا اور اس پر اپنی رائے بھی ظاہر کرتا جاؤں گا۔

(۱) پہلا اعتراض اُردو خط پر ہے کہ اس میں نقطوں کی بھرمار ہوتی ہے

لیکن معترض کو شاید نہیں معلوم کہ یہ چیز اُردو خط میں بجائے نقص کے بہت بڑی خوبی کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ نئے نئے حروف کی تعداد میں بہت کمی کر دیتا ہے۔ یہ نو حروف ت ح د ر س ص ط ع ف صرف ایک دو یا تین نقطوں کی کمی بیشی سے ۳۲ حروف کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں نقطہ کا یہ اسلوب ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں کی زبان میں رائج ہے لیکن آج تک کسی نے بھی اس اسلوب پر اعتراض نہ کیا کہ ان نقطوں سے کوئی بڑی پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ خود دیوناگری حروف کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں دس ایسے حروف نکلینگے جو نقطوں کی مدد سے بنائے گئے ہیں۔ مثلاً फ़ (ف)، ज़ (ز)، ग़ (غ)، ख़ (خ)، क़ (ق)، ڑ، ढ़، ड़، अः، अं۔

بقول ایک بزرگ "نقطے اردو رسم الخط میں گھر کے بچوں کی طرح ہیں، جن کی نگہداشت اور خیال پدرانہ شفقت کے ساتھ کرنا ضروری ہے"

(۲) دوسرا اعتراض اس پر یہ کیا جاتا ہے کہ اُردو رسم الخط میں اعراب نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ اعتراض اُردو خط سے محض ناواقفیت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ اُردو کی سب سے پہلی کتاب شروع کرنے والے کو بھی زبر۔ زیر۔ پیش ـَ ـِ ـُ یہ تینوں اعراب ضرور بتلا دیا جاتا ہے۔ اُردو میں بیشک ہندی کی طرح بے شمار منتر سے نہیں ہیں۔ کہ جس سے پڑھنے والے کا دماغ پریشان ہو جائے۔ اُردو میں بس

ان ہی تین اعراب اور اس کے متعلق تین حروف آ ۔ وَ ۔ یَ سے سارا کام خوش اسلوبی سے چلتا ہے ۔ اُردو نے اعراب کے سلسلہ میں عربی سے تنوین اً ۔ اٍ ۔ اٌ لے لیا ہے ۔ جو ضرورت کے وقت استعمال ہوتا ہے اور اس سے خط میں بڑا اختصار پیدا ہو گیا ہے ۔ اُردو خط نے تشدید کو بھی اپنے یہاں قبول کر لیا ہے ۔ اس اعراب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ دیوناگری کی طرح ایک حروف کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ تشدید (ّ) سے کام چل جاتا ہے ۔ مثلاً کھٹّا ہندی میں खट्टा دو ٹ کے بغیر نہیں لکھا جائے گا ۔ لیکن اُردو میں صرف تشدید (ّ) کے نشان سے کام چل گیا ۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ اعراب وغیرہ صرف نومشقوں کے لئے ہے جب اردو والا صاحب استعداد ہو جاتا ہے تو پھر اسے اعراب کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ اعراب نہیں ہونے کے باعث گڑبڑی کی شکایت صرف اُردو نئے نوسکھیے ہی کر سکتے ہیں ورنہ صاحب صلاحیت آدمی کو کبھی دقت نہیں ہو سکتی ۔ بقول ایک مستند ادیب کے ۔

"اردو میں آگے چلکر جو اعراب اڑا دیا جاتا ہے وہ محض اس بنا پر کہ لکھنے اور پڑھنے کا کام ہلکا ہو جائے ۔ ورنہ نوسکھوں اور نومشق کے ساتھ دقت پیدا کرنے کے لئے ایسا نہیں کیا جاتا ۔ اردو عالم کی مشاقی اور ذی علمی

گا اسی سے پتہ چلتا ہے کہ اردو پڑھنے والے کو اعراب
کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اور ایسا ہی ہوتا بھی ہے کیونکہ
بہت جلد اس کو اس کی صلاحیت ہو جاتی ہے برخلاف
اس کے ہندی رسم خط سے ایک منتر اسبھی اڑا دیا
جائے تو پھر اس کا غریب پڑھنے والا اندھے کی طرح
ٹوٹیا لگانے لگے گا۔"

(۳) تیسرا اعتراض اس پر یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں ٹھہراؤ کی کوئی علامت
نہیں ہے۔ لیکن یہ اعتراض بھی اتفاق سے دوسرے اعتراض کی طرح
ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ اردو میں ٹھہراؤ کی علامت موجود ہے لیکن
اعراب کی طرح آگے چل کر اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اور لکھنے
والے اس بنا پر اس کا خیال نہیں کرتے۔

(۴) چوتھا اعتراض اس پر یہ ہے کہ اس میں اکثر الفاظ کے اندر غیر ضروری
ساکن حرف آجاتے ہیں۔ مثلاً خواہش، خود، خواجہ وغیرہ میں "و"
محض غیر ضروری اور ساکن ہے۔ اردو میں اولاً تو اس طرح کی مثال بہت
کم گویا نہیں کے برابر ہے۔ علاوہ اس کے انگریزی، فرانسیسی، امریکن
اور دنیا کی بہت سی ترقی یافتہ معیاری زبانوں میں بھی اس طرح کے ساکن
حروف NIGHT ، THOUGHT ، RIGHT میں "GH"
ساکن ہے۔ یہ نمونہ کے طور پر دو تین مثالیں دیدی گئی ہیں۔ ورنہ اس

طرح کے ہزاروں الفاظ انگریزی میں موجود ہیں۔ امریکن زبان کی اصلاح کرنے والوں نے اس طرح کے ساکن حروف کو اڑا دینے کی کوشش کی لیکن خود مسٹر روزولٹ آنجہانی ROOSEVELDT اس تحریک کے بہت بڑے حامی ہونے کے باوجود بھی اپنے نام سے غیر ضروری ساکن حروف کو نہیں اڑا سکے۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم سمجھتے ہیں اردو لفظ میں ساکن حروف کی موجودگی کوئی ایسا نقص نہیں ہے جو برداشت نہ کیا جا سکے، جبکہ دنیا کی بہت سی دوسری ترقی یافتہ زبانیں اس نقص کو برداشت کر رہی ہیں۔

(۵) پانچواں اعتراض اس پر ہے کہ یہ دائیں سے بائیں جانب کو لکھا جاتا ہے، یہ اعتراض اپنی جگہ پر بڑا دلچسپ اور مضحکہ انگیز ہے۔ اردو والے بھی اگر اپنی جگہ پر یہ اعتراض کریں کہ دیوناگری بائیں سے دائیں جانب کیوں لکھی جاتی ہے، اردو کی طرح دائیں سے بائیں جانب کیوں نہیں لکھی جاتی تو ہم سمجھتے ہیں ہندی والے اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر تماشا تو یہ ہو اگر چین والے تمام رسم خط کو محض اس بنا پر ناقص قرار دیدیں کہ ان کی زبان کی طرح سب زبانیں اوپر سے نیچے کی طرف کیوں نہیں لکھی جاتیں۔ خصوصیت کے ساتھ چونکہ بودھ مذہب ہندوستان سے نکلا اور پھیلا ہے اس لئے اگر ان لوگ تجویز پیش کریں کہ اردو اور ہندی دونوں زبانیں چینی رسم خط کی پیروی

میں اُوپر سے نیچے کی طرف لکھی جائیں تو زیادہ بہتر ہو۔ غرض یہ ہے کہ ان باتوں سے رسم خط کے اوپر کوئی اثر نہیں پڑتا، خواہ دائیں سے بائیں جانب لکھا جائے یا بائیں سے دائیں جانب۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ اُردو خط کے اس اسلوب سے طباعت میں دقت ہوتی ہے کیونکہ انگریزی یا ناگری وغیرہ کے کسی مسودہ کی طباعت میں اگر درمیان میں کوئی اُردو کا لفظ آجاتا ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرف سے شروع کیا جائے۔ لیکن اس طرح کے اعتراضات کو محض دماغ کی اُپج کہنا زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ دنیا میں ہر شخص اپنے اپنے فرائض کو خوب سمجھتا ہے اور اس میں چاق و چوبند رہتا ہے۔ مطبع والے بھی کچھ ایسے بیوقوف نہیں کہ اتنی سی بات پر قدرت نہ حاصل کرسکیں۔ ان کے یہاں یہ کوئی قابل ذکر دشواری ہی نہیں ہے۔ ورنہ ضخیم ضخیم اردو انگریزی عربی انگریزی، فارسی انگریزی لُغتیں اور اسکول کالج کے فارسی اُردو کے امتحانات کے سوالات اس آسانی سے نہ چھپتے۔

(۶) چھٹا اعتراض یہ ہے کہ اس میں کھسیٹ شکست کا رواج ہے اور یہ خط بڑی مشکل سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ اعتراض اپنی جگہ پر بڑا ہی طفلانہ ہے۔ دنیا میں کوئی خط ایسا نہیں ہے جسے تیز اور خراب طریقہ سے لکھا جائے تو پڑھنے میں دقت نہ ہو، یہاں تک کہ انگریزی فرانسیسی یا اور اس طرح کی تمام ترقی یافتہ زبانوں کے ساتھ بھی یہی

بات ہے کہ اگر اسے بہت تیز اور خراب طرح سے لکھا جائے تو پڑھا نہ جائے گا۔ ناگری میں اس طرح کی غلطیاں کثرت سے ہوتی ہیں مشہور ہے کہ پولیس افسر نے رپورٹ میں نقب زنی (नकब जनी) لکھا لیکن اس کے افسر نے اسے ناک بجی پڑھ لیا۔ اصل دیکھنا تو یہ چاہیے کہ اس خط شکست کے اصول و قواعد کیسے ہیں ؟ کیا اس کے اصول میں خرابی ہے، یا محض خراب لکھنے والوں کی خرابی ہے ؟ اس سلسلہ میں میں چند سطریں اس خط کے متعلق لکھ کر بتاؤں گا۔

خط شکست جسے خطِ دیوانی بھی کہتے ہیں عہد شاہجہاں میں ایجاد ہوا۔ اس کا موجد شاہجہاں کا معتبر منشی چندر بھان برہمن ہے اس کے بعد محمد جعفر مخاطب بہ کفایت خاں دیوان نورتن عالمگیری اور شیخ احمد سرہندی نے اس خط کو معراج تک پہنچایا۔ سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں کو یہ خط بہت پسند آیا اور ان کی وزارت کے زمانہ میں انشا پردازی میں اس خط نے بہت زیادہ رواج پایا۔ خط نستعلیق کی طرح اس کے دائرے کشش حروف کی بناوٹ ان کے وصل و فصل وغیرہ کے لئے بھی خاص طور پر نہایت مکمل اصول و قواعد مقرر ہیں۔ جو رسالہ ارژنگ چین، انجم پروین، پنجہ نگارین میں موجود ہیں۔ سو ڈیڑھ سو برس کے بیشتر لکھے ہوئے پرانے کتبے وغیرہ جو خط شکست میں ملتے ہیں ان سے اس خط کی شان کا پتہ چلتا ہے کہ تمام حروف مفرد اور الفاظ

مرکب کی تحریر کے قاعدے موجود ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ فن خطاطی کی طرف سے بے پرواہی اور ناتر سکاری میں کثرت کار اور قلت اہل کار نے اس خط کی شکل وصورت کو بگاڑ کر اس درجہ تک پہونچا دیا۔

دیوناگری رسم خط خالص سنسکرت سے ماخوذ ہے اور اس حیثیت سے سنسکرت کی ضروریات کو مکمل طور پر پورا کرتا ہے، لیکن زمانہ اب بدل چکا ہے۔ چار ہزار برس پہلے جو وشنی لوگ یہاں بستے تھے ان کا وقت گذر گیا۔ بھارت ماتا کی گود میں اب صرف دیوتا اور ان کے پجاری ہی نہیں بستے ہیں، بلکہ بہت سی کالی گوری دوسری مخلوق بھی یہاں آباد ہیں۔ اس لئے اب سوال یہ ہے کہ اس تمام مخلوط آبادی کی ضروریات کو کس زبان اور رسم خط کے ذریعہ پورا کیا جائے۔ دیوناگری ایک ایسا رسم خط ہے جس میں سوائے سنسکرت کے کسی دوسری زبان کی ملاوٹ نہیں ہے۔ اس نے اپنے وجود میں آنے سے لے کر اب تک کبھی بھی کسی دوسری زبان سے اثر قبول کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اس رسم خط کو صرف سنسکرت ہی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ ہندوستان کی موجودہ زبان جسے ہندو مسلمان سبھی بولتے ہیں ایک مخلوط زبان ہے یعنی عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، پرتگالی سبھی زبانوں سے مل کر تیار ہوئی ہے۔ اس لئے بہت مناسب ہو اگر اس زبان کا رسم خط بھی ایسا ہی پسند کیا جائے۔ جو عربی، فارسی، سنسکرت سبھی

حروف سے بلکل نیا رہوا ہے۔ اردو رسم خط کو فارسی رسم خط کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک علحدہ مخلوط رسم خط ہے۔ جس نے عربی، فارسی سنسکرت سب کے حروف سے خوشہ چینی کی ہے۔ لیکن اپنی انفرادیت کو برابر قائم رکھا۔ مختصر یہ کہ مخلوط رسم خط مخلوط زبان اور مخلوط قوم کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔

دیوناگری رسم خط کے حامی اسے طرح طرح کے نام سے پکارتے ہیں۔ بعض اسے "مقدس زبان کی گاڑی" کہتے ہیں اور بعض اسے دیوتاؤں کی زبان کا رسم خط، کہتے ہیں۔ ہمیں یہ سب منظور۔ بلکہ اس بارے میں ہم ان کی تائید کرتے ہیں اور اسی لئے درخواست کرتے ہیں کہ اس مقدس زبان کی گاڑی، مقدس سنسکرت، ہی کے لئے مخصوص رکھیں تو مناسب ہے، کیونکہ ہندوستان میں مسلمان، عیسائی، اچھوت سبھی بستے ہیں ان سب لوگوں کے استعمال سے ہمیں ڈر ہے کہیں یہ مقدس رسم خط ناپاک نہ ہو جائے۔ برعکس اس کے اردو رسم خط نہ کسی دیوتا کی زبان کا رسم خط ہے اور نہ اُسے مقدس ہی ہونے کا دعویٰ ہے۔ اسے ہندوستان کے تمام باشندے ہندو، مسلمان، عیسائی، جین، اچھوت استعمال کریں گے تو اسے کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔

سب سے آخر میں ہم اتنا اور عرض کریں گے کہ یہ سامی رسم خط (یعنی اردو رسم خط) افغانستان، بلوچستان، ایران، ترکستان

عرب، ترکی، مصر، سوڈان اور تمام شمالی اور وسطی افریقہ کے ممالک میں رائج ہے۔ اس لئے ہم ہندستانی اگر اس بین الاقوامی رسم خط کو اپنا قومی رسم خط بنالیں تو اس سے بہت سے فوائد حاصل ہونگے سب سے بڑھکر تو یہ فائدہ ہوگا کہ اتنے زیادہ ممالک سے ہم رسم خط کے معاملے میں ایک رشتے میں منسلک ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں جب کہ ہمارے بڑے رہبران قوم ایشیائی سیاست کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہوگی کہ رسم خط کے معاملے میں ہم لوگ ایک ایسے رسم خط یعنی دیوناگری کے پابند ہو جائیں جو صرف ہندستان کی چار دیواری تک محدود ہے، بلکہ ہندوستان میں بھی اسے مشترکہ حیثیت حاصل نہیں۔

”بہار کے شعرا“

محمد معین الدین صاحب دردائی ایم۔ اے علیگ کی ایک محققانہ کتاب ہے، اس میں فاضل مصنف نے صوبہ بہار میں اردو شاعری کی ابتدا اور بہ تدریج ترقی پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ پٹنہ یونیورسیٹی کے ایم۔ اے (اردو) کے امتحان میں ایک مضمون بھی اس موضوع پر ہے۔ امتحان دینے والوں کے لئے یہ کتاب حد درجہ ضروری ہے۔ قیمت مجلد دو روپیہ (عہ)

ملنے کا پتہ

محمود حسن اینڈ برادرس اسلامیہ بکڈپو آرہ

شاد بک ڈپو۔ پٹنہ

اقبال بک ڈپو۔ بانکی پور

۱۱۵۳۱